OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

سیرت النبی ﷺ اور مستشرقین

Seerah of Prophet Muhammad PBUH and Orientalist

ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی
پروفیسر/چیئرمین شعبہ قرآن و تفسیر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر طاہرہ افراق
لیکچرر شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract

Orientalism and orientalist movement formally emerged as an intellectual warfare against Islam and Muslims in 8th century. The notion based orientalist movement was organized and categorically developed in various stages. The main idea behind this movement was to create doubts in the minds of Muslims about prophet hood of prophet Muhammad (S.A.W) and to halt the propagation of Islam in the world at large. They strategically attack at different facets of the *sīrah* of prophet Muhammad (S.A.W) by constructing factious stories de facto based on imagination, hatred and prejudice towards Islam. But they set forth baseless arguments in support of their averments which lack coherence, logic and factual proofs. This study proceeds with the introduction about orientalists and orientalism. Different stages of orientalist movement and the political, economic and literary reasons behind it are presented in the following section. The next section of the paper deals with the mistakes and blunders committed by the orientalists in this warfare. The study answers the objections that are raised by the orientalists in the last part.

Keywords: Islam, Muslim, Sīrah, al-Nabī, Mustashriq, Īstishrāq, Tahrīk, al-Qurān

مستشرقین کا مفہوم

مستشرقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ملت اسلامیہ کے لسانی، سماجی، معاشی، سیاسی، دینی، مذہبی، سائنسی اور دیگر علوم وفنون اور جملہ نظامہائے حیات کا مطالعہ کریں۔ اس مطالعہ سے ان کا مقصد یہ ہو کہ ملت اسلامیہ کے افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ہر میدان اور ہر سیکٹر میں اپنے افکار و مساعی سے متاثر کیا جائے جس سے ان کے اندر فکری تغیر واقع ہو اور اسلام کے متعلقات کے بارے میں ان میں ضعف پیدا ہوتا جائے۔ نتیجۃً مسلمانوں کے دلوں میں ان کے افکار و خیالات کے لیے جگہ بن جائے تاکہ جس وقت وہ ان کے اوپر اپنا تسلط و غلبہ قائم کرنا چاہیں اور ان کے وسائل پر قابض ہونا چاہیں تو مسلمانوں کی طرف سے کوئی موثر رد عمل سامنے نہ آئے۔

اس طرح کے کام کرنے والے علماء، خواہ وہ یہودی ہوں، عیسائی ہوں، ہندو ہوں یا کسی بھی غیر اسلامی ملک، خطہ، تحریک اور گروپ سے تعلق رکھتے ہوں، کو مستشرقین کہا جاتا ہے اور ان کے کام کے نتیجہ میں جو کارنامے معرض وجود میں آئیں انہیں "استشراق" کہتے ہیں۔

اس مفہوم کی مزید وضاحت حسب ذیل تعریف سے ہوتی ہے جسے مستشرقین کے بیشمار علمی کارناموں اور ان کے مختلف طبقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے:

"اہل مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص، جو مشرقی اقوام خصوصاً ملت اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں، تہذیب و تمدن، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملی خصوصیات، وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں، ان کو مستشرقین کہا جاتا ہے اور جس تحریک سے وہ لوگ منسلک ہیں وہ تحریک استشراق کہلاتی ہے" (۱)۔

مستشرقین اور استشراق کے اس مفہوم کو سمجھنے کے لیے لفظ "مشرق" کے مفہوم کو جاننا ضروری ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی رودی بارت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مستشرقین کے عرف میں لفظ "مشرق" کا جغرافیائی مفہوم مراد نہیں بلکہ ان کے ہاں مشرق سے مراد زمین کے وہ خطے ہیں جن پر اسلام کو فروغ حاصل ہوا (۲)۔

لفظ "مشرق" کا یہ مفہوم واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ مستشرقین کے نزدیک پوری اسلامی دنیا مشرق کہلاتی ہے۔

تحریک استشراق کا آغاز وارتقاء

مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ مستشرقین کے کام (جو تحریک استشراق کے نام سے مشہور ہے) کا آغاز حقیقت میں دسویں صدی عیسوی سے بہت پہلے ہو گیا تھا لیکن اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ کاروائیاں تو اس وقت شروع ہو گئی تھیں جب اس دنیا پر اسلام کا ظہور ہوا تھا۔ اسی وقت سے اہل کتاب، اسلام اور مسلمانوں پر مختلف اطراف وجہات سے حملے کیا کرتے تھے۔

یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان یہ مخالفت عہد رسول ﷺ سے جاری ہے اور اس کی شدت میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔ لیکن استشراق مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی قلمی جنگ کا نام ہے اور یہ ذرا بعد میں شروع ہوئی۔

استشراق کی تحریک کو مشرق اور مغرب کے اہل کتاب نے مل کر آٹھویں صدی عیسوی میں شروع کیا۔ مشرقی اہل کتاب کا نمائندہ یوحنا دمشقی (۶۷۶ء-۷۴۹ء) تھا جو خلیفہ ہشام کے زمانے میں بیت المال میں ملازم تھا۔ اس نے ملازمت ترک کر دی اور فلسطین کے ایک گرجے میں بیٹھ کر مسلمانوں کی تردید میں کتابیں لکھنے لگا۔ اس نے اسلام کے خلاف دو کتابیں لکھیں جن میں سے ایک کا نام "محاورۃ مع المسلم" اور دوسری کا نام "ارشادات النصاری فی جدل المسلمین" تھا (۳)۔

یہ دونوں کتب اسی مقصد کے تحت لکھی گئی تھیں جس کے تحت مستشرقین نے کتب کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اس لیے ہم یوحنا دمشقی کی مساعی کو تحریک استشراق کا نقطہ آغاز قرار دے سکتے ہیں۔ کچھ لوگ مشرق کا باشندہ ہونے کی بنیاد پر یوحنا

دمشقی "جان" کو مستشرق تسلیم نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی تصنیفات کو تحریک استشراق کا حصہ قرار دینے کے لیے تیار ہیں لیکن ہم نے مستشرقین کی جو تعریف کی ہے اس کی رو سے وہ مستشرق ہی شمار ہوگا (۴)۔

جان آف دمشق "یوحنا" نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں طرح طرح کی جھوٹی باتیں گھڑیں اور لوگوں میں مشہور کر دیں تاکہ آپ ﷺ کی سیرت و شخصیت ایک دیومالائی کردار سے زیادہ دکھائی نہ دے۔ جان آف دمشق کی یہی خرافات مستقبل کے استشراقی علماء کا ماخذ و مصدر بن گئیں۔ اس نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو ایک افسانہ بنا دیا، یہی افسانے یورپ میں کلاسیکل موضوعات بن گئے اور آج تک مستشرقین کے محبوب موضوعات ہیں۔ جان آف دمشق کے بعد عیسائی دنیا میں بیسیوں عیسائی اور یہودی علماء نے قرآن کریم اور آنحضور ﷺ کی ذات گرامی کو کئی سو سال تک موضوع بنائے رکھا اور ایسے ایسے حیرت انگیز افسانے تراشے جن کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ان ادوار میں زیادہ زور اس بات پر صرف کیا گیا کہ آپ ﷺ امی نہیں بلکہ پڑھے لکھے شخص تھے، تورات اور انجیل سے اکتساب کر کے آپ ﷺ نے قرآنی عبارتیں تیار کیں۔ بہت بڑے بڑے جادوگر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ (العیاذ باللہ) حد درجہ ظالم، سفاک اور جنسی طور پر پراگندہ شخصیت کے حامل تھے۔ فرانسیسی مستشرق کاراڈی فوکس (Carrade Vaux) نے آنحضور ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں لکھا ہے کہ محمد ﷺ ایک لمبے عرصے کے لیے بلاد مغرب میں نہایت بری شہرت کے حامل رہے اور شاید ہی کوئی اخلاقی برائی اور خرافات ایسی ہو جو آپ کی جانب منسوب نہ کی گئی ہو۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ اسلام کی آمد سے کم و بیش سات آٹھ سو سال بعد تک مغربی ممالک میں اسلام کے خلاف نفرت ناکافی اور ادھوری معلومات کی بنیاد پر ہی پنپتی رہی، مثال کے طور پر گیارہویں صدی عیسوی کے آواخر میں (Song of Roland) جو پہلی صلیبی جنگوں کے دوران ہی وضع کیا گیا، بہت مشہور ہوا، اسی طرح کی بیہودہ باتوں پر مشتمل تھا (۵)۔

تحریک استشراق کے مختلف مراحل

تحریک استشراق کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے علماء نے اسے درج ذیل مراحل میں تقسیم کر رکھا ہے (۶):

پہلا مرحلہ

تحریک استشراق کی تاریخ کا پہلا مرحلہ اس زمانے پر مشتمل ہے جب مسلمانوں نے اندلس کو علم و حکمت اور تہذیب و تمدن کا مرکز بنا دیا تھا اور اہل مغرب مسلمانوں کے ان علوم و فنون کو سیکھنے یا انہیں ختم کرنے کی غرض سے گروہ در گروہ اندلس میں داخل ہو رہے تھے (۷)۔

اس مرحلہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اہل مغرب اس زمانے میں اندلس اور سسلی وغیرہ کے علمی مراکز میں حصول علم کی خاطر داخل ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے متعدد علوم کے یورپی زبانوں میں ترجمے کئے۔ فلسفے، ریاضی، طب اور دیگر عقلی نوعیت کے علوم کی کتب کو عربی زبان سے مختلف یورپی زبانوں میں منتقل کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل مغرب نے قرآن حکیم اور دینی موضوعات کی دیگر کتابوں کو بھی یورپی زبانوں میں منتقل کیا۔

مسلمانوں کی پیروی کرتے ہوئے اہل مغرب نے یورپ کے مختلف ممالک میں علمی مراکز بھی قائم کیے۔ کلیسا نے انہیں نہ صرف مدارس قائم کرنے کی اجازت دی بلکہ اس نے خود علمی ادارے (Institutions) بنائے۔ عیسائیوں نے اندلس میں بھی اور یورپ کے دیگر ممالک میں اس طرح کے ادارے قائم کیے۔

اہل یورپ میں اصل میں مسلمانوں کی وجہ سے علم سے لگاؤ پیدا ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی قوت اور شوکت و عظمت کا راز جاننے کی کوشش کی تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اس اسلامی ملت کی شان و شوکت کا راز تو علم میں پوشیدہ ہے۔ اس حقیقت کو جان لینے کے بعد اہل یورپ نے بالعموم اور کلیسا نے بالخصوص یورپ کو علم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے کام شروع کر دیا۔

اس پہلے مرحلہ کے معروف مستشرقین

یورپ میں جو تعلیمی و تدریسی کوششیں شروع ہوئیں ان کے نتیجہ میں بڑے علماء سامنے آئے جنہوں نے بعد میں یورپ کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ذیل میں ان میں سے چند ایک یورپین علماء اور اداروں کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ جریری دی اورالیاک: یہ فرانسیسی راہب تھا جو علوم و فنون سیکھنے کے لئے فرانس سے اندلس آیا۔ یہ اشبیلیۃ اور قرطبہ کے جامعات میں زیر تعلیم رہا اور عربی زبان و ادب، ریاضی اور علم فلکیات میں مہارت حاصل کی۔

یہ راہب کلیسا میں مختلف خدمات سر انجام دیتا رہا اور ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے پاپائے روم کے منصب پر فائز ہو گیا۔ یہ شخص ۹۹۹ء سے لیکر ۱۰۰۳ء تک پاپائیت کے منصب پر فائز رہا (۸)۔

طلیطلہ کا دارالترجمہ

۱۱۳۰ء میں طلیطلہ کے رئیس ڈان ریمنڈ نے طلیطلہ میں دارالترجمہ قائم کیا جس میں مسلم، عیسائی اور یہودی علماء نے ریاضی، فلکیات، طب، کیمیا، طبیعات، تاریخ، نفسیات اور سیاسیات کی اہم کتب کے ترجمے لاطینی زبان میں کیے۔ اس دارالترجمہ میں عربی ثقافت کو سیکھنے کی غرض سے برطانیہ، اٹلی اور جرمنی کے طلبہ آتے، پھر اپنے ممالک میں واپس جا کر اس عربی ثقافت کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کرتے (۹)۔

پطرس محترم

یہ بھی ایک فرانسیسی راہب تھا جسے اس کی علمی وسعت کی بنا پر ۱۱۲۳ء میں دیر کلونی کا رئیس بنایا گیا۔ دیر کلونی کی بنیاد فرانس میں ۹۱۰ء میں رکھی گئی تھی اور اس سے ایک اصلاحی تحریک اٹھی جس نے پورے یورپ کی عیسائیت پر اپنے اثرات چھوڑے (۱۰)۔

پطرس محترم نے مترجمین کی ایک انجمن بھی بنائی جس کے ارکان ایک جماعت کی شکل میں ترجمے کے کام میں مصروف ہو گئے۔ اس جماعت نے عربی کی کئی کتابوں کے ترجمے کئے۔ ان کے تراجم کا مجموعہ "مجموعہ کلونی" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس مجموعے میں پطرس محترم کی اپنی تالیفات بھی شامل تھیں۔ یورپ میں اس مجموعے کو بہت شہرت و مقبولیت ملی۔

پطرس محترم یہ سمجھتا تھا کہ قدرت نے اسے تین محاذوں پر لڑنے کا کام سونپا ہے:

۱۔ یہودیت اور اسلام کا قلع قمع کرنا۔
۲۔ یورپ میں بیداری کی لہر نے کلیسا کو جس فکری اضطراب اور انتشار میں مبتلا کر دیا ہے اس کا مقابلہ کرنا۔
۳۔ ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے کلیسا کو تیار کرنا (۱۱)۔

یہ پطرس محترم ایک متعصب اور کینہ پرور عیسائی تھا۔ اس نے اپنی اسلام دشمنی کو خفیہ نہیں رکھا بلکہ وہ اعتراف کرتا ہے۔ تراجم کا کام اس نے اسلام کی مخالفت کے لیے شروع کیا ہے۔ اس نے واضح طور پر اعلان کیا کہ اسلام کفر ہے۔ اس کی نگرانی میں قرآن مجید کا جو ترجمہ ہوا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ عیسائیوں کو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف مضبوط دلائل مل سکیں اور ان دلائل کے زور پر وہ اپنے ایمان اور عقیدے پر ثابت قدم رہ سکیں (۱۲)۔

جیرارد ی کریمون (۱۱۱۴-۱۱۸۷ء)

یہ اطالوی الاصل ہے۔ یہ طلیطلہ گیا اور وہاں عربی زبان و ادب میں مہارت حاصل کرنے کے بعد کندی، فارابی اور ابن سینا کے فلسفے کو عربی سے لاطینی میں منتقل کیا۔ اس نے رازی کی بعض کتابوں کے علاوہ کئی دیگر کتب کے ترجمے بھی کیے۔ یہ طلیطلہ کے دار الترجمہ ہی میں کتابوں کے ترجمے کیا کرتا تھا اور وہیں اس کا انتقال ہوا (۱۳)۔

ان کے علاوہ اس دور کے مشہور مستشرق علماء میں رابرٹ آف تشتر، ریڈ لرڈ آف باتھ (م ۱۱۲۵ھ)، ھرمان الدلماطی (م ۱۱۷۲ء)، مائیکل سکاٹ (م ۱۲۳۵ء)، فریڈرک ثانی (م۱۲۳۶ء)، الفانسو دہم (م۱۲۸۴ء) اور مدرسہ میرامار (م۱۲۷۶ء) وغیرہ (۱۴)۔

دوسرا مرحلہ

تاریخ استشراق کے دوسرے مرحلے کی ابتداء صلیبی جنگوں سے ہوتی ہے۔ ان صلیبی جنگوں نے پورے مغرب میں اسلام کے خلاف دشمنی کو خوب پروان چڑھایا۔ اس دوسرے مرحلہ (دور) کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو اپنی الزام تراشیوں کا ہدف بنایا اور اسلام کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کی۔ اس مرحلہ میں مستشرقین نے فرضی تصویری کہانیوں، افسانوں، ناولوں اور ڈراموں کے ذریعے حضور ﷺ کی ذات و تعلیمات اور آپ ﷺ کی اتباع کرنے والوں کی کردار کشی کی۔ واضح رہے کہ مستشرقین کے اس طرح کے معاندانہ رویے کی جھلک ہر دور کے مستشرقین کے کام میں نظر آتی ہے (۱۵)۔

پہلے اور دوسرے مرحلہ میں فرق

تحریک استشراق کے پہلے اور دوسرے مرحلہ میں فرق یہ ہے کہ پہلے مرحلہ کے مستشرقین اسلام پر اعتراض کرنے کے لیے اسلام کی تاریخ اور تعلیمات میں ہی اس اعتراض کی بنیاد تلاش کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جبکہ دوسرے مرحلہ (دور) کے مستشرقین کا تکیہ صرف اپنے تخیل کی پرواز پر تھا۔ انہیں اسلام کے خلاف لکھنے کے لیے نہ عربی زبان سیکھنے کی ضرورت تھی اور نہ دین اسلام کی تعلیمات کی حقیقت سے آگاہ ہونا ان کے لیے ضروری تھا۔ وہ تو اسلام کو سب سے بڑی برائی

سمجھتے تھے اور پیغمبر اسلام ﷺ کو وہ ہر برائی کا منبع سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کا عقیدہ تھا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف جو چاہیں لکھیں اس میں کوئی ہرج نہیں ہے (۱۶)۔

تحریک استشراق کے اس دوسرے مرحلہ میں مستشرقین نے دین اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے خلاف جو کچھ لکھا، اس پر بعد کے مستشرقین نے شرمندگی کا اظہار صرف اس لیے کیا کہ وہ سمجھتے تھے کہ علمی ترقی کے اس دور میں اس قسم کی فرضی داستانیں اور الزام تراشیاں، اسلام کے مقابلہ میں ان کی تحریک کو زیادہ نقصان پہنچائیں گی اور یہ غیر علمی اور غیر منطقی رویہ مستشرقین اور ان کی تحریک کے متعلق منفی تاثرات پیدا کرے گا (۱۷)۔

اس دوسرے دور کے مستشرقین کی علمی دلچسپیوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا شبلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "یورپ کی فیاض دلی رشک کے قابل ہے کہ ایک طرف تو مذہبی اختلافات کی بنا پر مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا، لیکن دوسری طرف اس نے بے تکلف مسلمانوں کے خوان کرم سے زلہ ربائی شروع کر دی" (۱۸)۔ مستشرقین نے اسلام کی جو غلط تصویر اس دوسرے دور (مرحلہ) میں پیش کر دی تھی وہ مدتوں تک یورپ اور اس کے زیر اثر علاقوں میں تاریخی حقیقت کے طور پر تسلیم کی جاتی رہی (۱۹)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تحریک استشراق کے "دوسرے دور (مرحلہ) کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب صلیبی جنگوں میں پے در پے شکستوں نے دنیائے نصرانیت کو اسلام دشمنی میں پاگل پنی کی حد تک پہنچا دیا تھا اور وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف نت نئے انداز میں زہر اگل رہے تھے" (۲۰)۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ: "اس دور کے مستشرقین نے زہر کی تلخیوں کو تحقیق کی شہد میں اس طرح چھپایا کہ کام و دہن کو تو تلخی محسوس نہیں ہوئی لیکن زہر رگ و پے میں اتر گیا" (۲۱)۔

تیسرا مرحلہ

تحریک استشراق کی علمی کاوشوں کے تیسرے مرحلے کا آغاز اس وقت ہوا جب صنعتی انقلاب نے یورپی ممالک میں استعمار اور ملک گیری کی نئی خواہشات کو بیدار کر دیا۔ اب یورپین اقوام نے مسلمان ملکوں پر للچائی ہوئی نظریں ڈالنا شروع کر دیں (۲۲)۔

دنیائے اسلام پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے انہوں نے بڑی محنت سے منصوبہ بندی کی۔ انہوں نے بروقت اس حقیقت کو محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں نے علاقوں پر تسلط قائم کرنے اور اس تسلط کو دوام بخشنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، دینی، اخلاقی اور معاشی حالات کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے۔ ان کی خوبیوں اور خامیوں سے مکمل آگاہی حاصل کی جائے تاکہ ان کی خامیوں سے فائدہ اٹھا کر اور ان کی خوبیوں کو خامیوں سے بدل کر انہیں کمزور کیا جا سکے۔ انہوں نے مسلمانوں کی تاریخ اور ان کے ممالک کی جغرافیائی حالات کے مطالعہ کو بھی ضروری سمجھا۔ انہیں اس بات کا بھی احساس ہو چکا تھا کہ عالم اسلام کے کونے کونے میں علم و معرفت کے موتی بکھرے پڑے ہیں جن میں قوموں کی قسمت بدلنے کی صلاحیت

موجود ہے۔ انہوں نے ان علمی خزائن کو تلاش کرنے، انہیں یورپ منتقل کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کو بھی ضروری سمجھا (۲۳)۔

ان تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مغرب میں اسلامی تہذیب و تمدن اور عربی زبان کو سمجھنے والے لوگوں کی کثیر تعداد موجود ہو جن کی کوششیں عالم اسلام پر مغرب کے استعماری تسلط کی راہ ہموار کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے متعدد اقدامات کئے جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے علمی شاہپاروں کی نشر و اشاعت کا بندوبست کرنا۔
۲۔ عالم اسلام سے مخطوطات (قلمی نسخوں) اور کتابوں کو جمع کر کے انہیں یورپ منتقل کرنا۔
۳۔ عربی علوم اور مشرقی تہذیب و تمدن کو سمجھنے کے لیے مراکز قائم کرنا۔
۴۔ عالم اسلام میں علمی مہمیں بھیجنے کا بندوبست کرنا۔
۵۔ یونیورسٹیوں میں عربی اور سامی زبانوں کی تدریس کے لیے (Chairs) قائم کرنا۔
۶۔ السنہ شرقیہ (مشرقی زبانوں) کی تدریس کے لیے مختلف تعلیمی اداروں کو قائم کرنا۔
۷۔ متعدد کانفرنسوں کے ذریعے تحریک (استشراق) کے کام کو منظم کرنے کے لیے کوششیں کرنا (۲۴)۔

اسی دور میں فرانس، ہالینڈ، جرمنی، انگلینڈ اور دوسرے یوری ممالک میں بڑے مشہور مستشرق ظاہر ہوئے جنہوں نے عالم اسلام پر اہل مغرب کے استعماری تسلط کا راستہ ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا (۲۵)۔

اس دور کے مستشرقین کے مزاج کو سمجھنے کے لیے نپولین کی مثال پر غور کرنا ضروری ہے۔ نپولین نے جب ۱۷۹۸ء میں مصر پر حملہ کیا تو یہ حملہ صرف عسکری نہیں تھا بلکہ نپولین کے ساتھ علماء کی ایک بہت بڑی جماعت بھی تھی جنہوں نے مصری زندگی کے تمام پہلوؤں کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ کا نچوڑ ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا جس کا نام "وصف مصر" رکھا۔

نپولین نے اسلام کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کر کے اور جامعہ الازہر کے علماء سے رابطہ قائم کر کے مسلمانوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کا دوست اور خیر خواہ ہے۔ نپولین نے مصر کے علمی خزانوں کو فرانس منتقل کیا۔ انگریزوں نے بھی نپولین کی پیروی کی اور ہندوستان سے بے شمار قلمی نسخے یورپ منتقل کئے۔ اسی قسم کے علمی شاہپاروں کو یورپ کی لائبریریوں میں دیکھ کر اقبال خون کے آنسو رویا تھا (۲۶)۔

جب استعماری طاقتوں نے مشرقی ممالک پر تسلط قائم کرنے کا ارادہ کیا تو ہر جگہ ان کا طریقہ کار ایک تھا۔ سیاسی تسلط سے پہلے انہوں نے علمی مہموں اور تجارتی کمپنیوں کے ذریعے اپنے قدم مضبوط کئے۔ مختلف حیلوں بہانوں سے ان ممالک کے لوگوں کو اپنے تنزویری پنجوں میں کسا۔ ان کی صفوں میں انتشار و افتراق کے بیج بو کر ان کی ملی وحدت کو پارہ پارہ کیا۔ اور وہ قومیں جب انتشار کے روگ میں مبتلا ہو کر کمزور ہو گئیں تو تلوار کے زور پر ان کو اپنا سیاسی غلام بنالیا (۲۷)۔

چوتھا مرحلہ

مستشرقین کی تحریک کے چوتھے مرحلہ کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب نوآبادیات کے باشندے غیر ملکی تسلط کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے استعماری طاقتوں کو اپنے اپنے ممالک سے نکالنے کی جدوجہد شروع کر دی تھی۔ مسلم ممالک میں آزادی کی تحریکوں نے استعماری طاقتوں کے لیے خطرے کی گھنٹی بجادی۔ اہل مغرب نے مسلمانوں سے تلوار کے ذریعے معاملات طے کرنے کی کوششیں بار بار کی تھیں۔ لیکن انہیں ہمیشہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مسلمانوں سے نپٹنے کے لیے تلوار کی کامیابی سے ناامید ہو کر ہی انہوں نے دوسرے راستے اختیار کیے تھے۔ نوآبادیاں قائم کرنے کے لیے بھی انہوں نے تلوار کا استعمال صرف اس مرحلے پر کیا تھا جب ان کی دوسری چالوں کے ذریعے مسلمان تلوار اٹھانے کے قابل نہ رہے تھے۔ اب جب طویل غلامی کے بعد مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوئی اور وہ غلامی پر موت کو ترجیح دینے لگے تو استعماری طاقتیں ایک نئی صورت حال سے دوچار ہو گئیں۔ اب ان کے لیے صرف دو راستے تھے:

الف۔ ایک راستہ تو یہ تھا کہ آزادی کی اٹھتی ہوئی تحریکوں کو طاقت کے ذریعے کچل دیا جائے۔ اس راستے کو اختیار کرنے کی ان میں جرأت نہ تھی۔ وہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں دیکھ چکے تھے کہ یہ موت سے نہیں ڈرتے۔ صلیبی جنگوں کے ہولناک مناظر انہیں اس راستے کو اختیار کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

ب۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے علاقوں کو خالی کر کے اپنے ممالک میں واپس چلے جائیں۔ استعماری طاقتوں نے اس دوسرے طریقہ کو اپنایا اور نوآبادیات کو آزادی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن جن علاقوں پر انہوں نے اتنا عرصہ حکومت کی تھی انہیں یوں ہی چھوڑ کر چلے جانا آسان نہ تھا۔ وہ اب تک مسلمانوں کے حکمران تھے اور انہیں دوسرے درجہ کی مخلوق سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے۔ لیکن اب انہوں نے مسلمانوں کی دوستی اور خیر خواہی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ انہوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمان جسمانی طور پر ان کے غلبے سے آزاد ہو کر بھی ان کی ذہنی غلامی سے آزاد نہ ہونے پائیں اور ایسا ہی ہوا کہ استعماری طاقتوں کے چلے جانے کے بعد بھی مسلمان عملاً ان کے غلام ہیں۔ استعماری طاقتیں اب کمزور اقوام کو قرضے فراہم کر کے انہیں اپنے سودی شکنجوں میں کستی ہیں اور پھر ان ممالک کی داخلی اور خارجہ پالیسیاں ان ہی کے اشارے پر بنتی ہیں۔ ووٹ اسلامی ممالک کے شہری دیتے ہیں لیکن اقتدار اسے ملتا ہے جس کو امریکہ دینا چاہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دور کے مستشرقین کا پھیلایا ہوا زہر ہر دور کے مستشرقین کے پھیلائے ہوئے زہر سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

استعماری طاقتوں نے مستشرقین کے مشوروں کے مطابق مسلمانوں پر جو وار کئے ان کے اثرات ہم آج بھی دیکھ سکتے ہیں، مثلاً ہم اپنے سکولوں میں وہ نصاب پڑھا رہے ہیں جو مستشرقین ہمیں دے گئے ہیں۔

اس نظام تعلیم نے دین کو دنیا سے اور علوم جدیدہ کو مسلمانوں کے روایتی علوم سے الگ کر دیا ہے۔ نصاب کی اس تقسیم نے ملت کو تقسیم کر دیا ہے اور امت مسلمہ جس کی بنیاد ہی علم پر قائم تھی وہ علم کے میدان میں اقوام عالم سے بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ مستشرقین نے جو زہر پھیلایا تھا یہ اسی کا اثر ہے کہ آج مسلمان عربی اور اسلامیات سیکھنے کے لیے یورپ اور امریکہ

کی یونیورسٹیوں میں داخلہ لیتے ہیں اور دین کو سمجھنے کے لیے ان علمی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں جو مستشرقین نے اپنے خصوصی مقاصد کے تحت تیار کئے ہیں۔ مستشرقین کے ان مقاصد میں اسلام کی تصویر کو مسخ کر کے پیش کرنا سر فہرست ہے (۲۸)۔

تحریک استشراق کی تاریخ کے اس دور میں مستشرقین اپنی حکومتوں کے دست راست بن گئے۔ وہ اپنے اپنے ملک کی وزات خارجہ کے مشیر بنے اور انہوں نے اپنے وسیع تجربے اور مطالعے سے فائدہ اٹھا کر ایسی پالیسیاں وضع کیں کہ استعماری طاقتوں کے چلے جانے کے بعد بھی مسلمان ان کی ضرورت محسوس کریں (۲۹)۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد برطانیہ میں سکاربرور پورٹ (Scarbrough Repart) تیار کی گئی۔ اس رپورٹ میں مشرق میں برطانیہ کے مفادات کے تحفظ کے لیے نیا لائحہ عمل پیش کیا گیا۔ مشہور مستشرق ایچ-اے-آر گب (H.A.R.G.bb) نے اپنی کتاب (Modern trends in Islam) میں نئے تقاضوں کے پیش نظر مسلمانوں کے حالات کو سمجھنے کی کوشش کی (۳۰)۔

پانچواں مرحلہ

تحریک استشراق کے پانچویں مرحلہ کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب اللہ تعالیٰ نے اسلامی دنیا کو زر سیال کی دولت سے مالا مال کیا اور اہل مغرب کی لالچی نگائیں اس دولت پر مرکوز ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ کو یہ نعمت اس دور میں عطا کی تھی جب اقتصادی تقاضوں نے انسانی زندگی کے دیگر تمام تقاضوں کی اہمیت کو کم کر دیا تھا۔ اقتصادی خوش حالی ہی عزت، شہرت اور تہذیب کا معیار بن چکی تھی (۳۱)۔

استعماری طاقتوں نے نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کے بعد مسلمانوں پر اپنے اثر کو قائم رکھنے کے لیے اقتصادیات ہی کا سہارا لیا تھا۔ مسلم ممالک نے گو آزادی حاصل کر لی تھی لیکن وہ اقتصادی شعبے میں مغرب کی طرف دیکھنے پر مجبور تھے۔ مستشرقین نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی جو طویل المعیاد منصوبہ بندی کی تھی اس کا نتیجہ تھا کہ مسلمان اس بات پر مجبور تھے کہ وہ اپنا خام مال کوڑیوں کے بھاؤ اہل مغرب کے ہاتھ فروخت کریں اور پھر اس خام مال سے تیار شدہ اشیاء مہنگے داموں خرید کر اپنی نالائقی کا ماتم کریں (۳۲)۔

جس زمانے میں اہل مغرب مسلمانوں کی نالائقی کی وجہ سے ان کی اقتصادی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے میں مصروف تھے، اسی زمانے میں قدرت نے مسلمانوں کو زر سیال کی دولت عطا کر دی۔ یہ صورت حال مغرب کے لیے بڑی تشویشناک تھی۔ اس دولت کے ذریعے مسلمانوں کا اقتصادی طور پر مضبوط ہونا یقینی تھا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ یہ نئی دولت مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر ایک زندہ اور غیور قوم بنا دے۔ اہل مغرب سوچ رہے تھے کہ اگر مسلمان جاگ اٹھے تو مغرب کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔ وہ اپنے مذہب، اپنی تہذیب، اپنی زبان اور اپنے طرز حیات پر فخر کرنے لگیں گے۔ ساری دنیا کو عیسائی بنانے کا خواب چکنا چور ہو جائے گا اور مشرقی اقوام کے مقابلے میں اقوام مغرب کی نسلی برتری ختم ہو جائے گی (۳۳)۔

اس طرح کے حالات اہل مغرب کے لیے خطرناک تھے۔ان سے نمٹنے کے لیے انہوں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کیا اور مستشرقین کی سے کام لیا۔ مستشرقین نے اب اسلام کے روایتی مطالعہ پر توجہ کم کر دی اور دور حاضر کے مسلمان معاشروں میں پائے جانے والے رجحانات کا تفصیلی مطالعہ شروع کر دیا۔اب انہوں نے صرف ان ممالک پر توجہ دی جہاں قدرت نے تیل کے وافر ذخائر پیدا فرما دیئے تھے۔اب مستشرقین نے ایشائی سوسائٹیوں کی بجائے مشرق وسطی کے نام سے سوسائٹیاں قائم کرنا شروع کر دیں(۳۴)۔

مستشرقین اس پانچویں مرحلہ میں جو کام کر رہے ہیں اس کے اثرات روز روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ جن اسلامی ممالک میں تیل کی دولت موجود ہے ان کے حکمرانوں کی قوت کا مرکز امریکہ ہے۔اس وقت تک امریکہ اسلامی ممالک کے ساتھ جو کچھ کر چکا ہے وہ آپ سب کے سامنے ہے۔اہل مغرب کی غنڈہ گردی بالعموم اور امریکہ کی بالخصوص اس وقت تک جاری رہے گی جب تک مسلمان اپنے اور پرائے میں فرق نہیں کر پائیں گے۔اور ایک آزاد قوم کی طرح دشمن کے مدمقابل بات کرنے کے قابل نہیں ہو جائیں گے(۳۵)۔

چھٹا مرحلہ

مستشرقین کی تحریک کے چھٹے مرحلے کا تعلق انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی سے ہے۔ اس دور کے مستشرقین کے لیے ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا تھا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اسلام کو ختم کرنے کے لیے غیر مسلم ہر دور میں کئی طرح کی کوششیں کرتے رہے ہیں۔جب دشمنان اسلام کو یقین ہو گیا کہ اب مسلمان کمزور ہو چکے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ اسلامی تہذیب کے مقابلے میں مغربی تہذیب کہیں بہتر ہے۔اگر وہ دنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں۔اس مقصد کے حصول کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے گئے۔ قسم قسم کے ظلم مسلمانوں پر ڈھائے گے۔

رد عمل کے طور پر دشمنان اسلام کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان پھر سے بیدار ہو رہے ہیں کیونکہ ان کے دلوں سے اسلام سے محبت ختم نہیں بلکہ کمزور ہو گئی تھی اور اس میں دوبارہ قوت بحال ہونا شروع ہو گئی تھی۔ مستشرقین نے دیکھا کہ دین اسلام ابھی زندہ ہے اور اسلامی تحریکیں زور پکڑتی جا رہی ہیں، مثلاً تحریک پاکستان۔اس تحریک نے ایک مملکت پاکستان کو وجود میں لایا۔اس تحریک پاکستان کا نعرہ ہی یہ تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالہ الااللہ۔

جو اسلامی ممالک استعماری تسلط سے آزاد ہوئے، ان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے مطالبے ہونے لگے۔ برصغیر، مصر اور افریقہ کے مسلم ممالک میں ایسی تحریکوں نے زور پکڑا۔افغانستان اور ایران کے مسلمان اپنے دوسرے ملی بھائیوں سے بھی چند قدم آگے تھے۔اس صورت حال نے اہل مغرب کا سکون برباد کر دیا۔اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک بار پھر مستشرقین کو نیا لائحہ عمل تیار کرنے پر مامور کیا گیا۔ ملت اسلامیہ کی اس نئی بیداری اور سوچ و فکر یہودیوں کے لیے بہت بڑا خطرہ تھا۔ان کی مملکت "اسرائیل" کی بنیاد ہی مسلمانوں کی ایمانی کمزوریوں کی وجہ سے رکھی گئی تھی۔ سچے اور پکے مسلمان کا پایا جانا ان کی اس ناجائز ریاست کے لیے خطرناک تھا۔

استشراقی مستشرقین ایک بار پھر استشراقی، صہیونی، تبشیری اور استعماری مقاصد کی حفاظت کے لیے میدان عمل میں آگئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے لیے دہشت گرد اور بنیاد پرست کی اصطلاحیں ایجاد کیں۔ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ان اصطلاحوں کی اتنی تشہیر کی کہ مسلمان لیڈروں کی زبانوں سے بنیاد پرستی کی مذمت ہونے لگی۔ مسلمان اس وقت دہشت گردی کے الزام سے بچنے کے لیے اپنے مسلمان ہونے پر شرمندگی محسوس کرنے لگا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے ایٹم بم بنانے کی کوشش کو اسلامی بم کا نام دیا گیا اور عراق کے ایٹمی پلانٹ پر حملہ کیا گیا۔

استشراق کی یہ تحریک اس نوعیت کے کاموں کے لیے پوری تیزی سے دوڑ رہی ہے اور مسلمانوں کا خون جگہ جگہ بہایا جارہا ہے۔ نیٹو کا وزیر دفاع کہہ چکا ہے کہ اشتراکیت (Camonism) کے خاتمے کے بعد یورپ اور امریکہ کا سب سے بڑا دشمن اسلام ہے۔ اس وقت جو ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے (۳۶)۔

نتیجہ

تحریک استشراق کی تاریخ کے ان چھ ادوار (مراحل) کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مستشرقین نے اپنے کام کا آغاز دو جہتوں میں کیا تھا:

الف۔ انہوں نے ایک طرف تو مسلمانوں کے علمی ذخائر کو اپنے ممالک میں منتقل کرنے اور انہیں استعمال میں لاکر مادی اور تہذیبی میدانوں میں ترقی کرنے کی کوششیں شروع کیں۔

ب۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کے دین، ان کی تاریخ اور ان کی تہذیب کو مسخ کرنے، مسلمانوں کو اپنے دین سے بیگانہ کرنے اور غیر مسلم لوگوں کو اس دین سے متنفر کرنے کی بھرپور مہم چلائی (۳۷)۔

زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ ان کے واردات کے طریقوں میں تو تبدیلیاں آتی رہیں لیکن جس مقصد کے تحت اس تحریک کا آغاز ہوا تھا وہ مقصد ہمیشہ مستشرقین کے پیش نظر رہا۔ انہوں نے کبھی طالب علموں کا روپ اختیار کیا، کبھی جسموں پر صلیبیں سجائیں، کبھی تحقیق کے نام پر اسلامی ممالک کے کونے کونے تک پہنچے، کبھی مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ بن کر سامنے آئے اور کبھی پسماندہ قوموں کے لیے مشفق و مربی کے طور پر ظاہر ہوئے۔ لیکن اتنے روپ بدلنے کے باوجود ان کا مقصد ہمیشہ ایک ہی رہا اور وہ ہے اسلام کو مسلمانوں کے دلوں سے ختم کرنا۔ ان شاء اللہ وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ دین اسلام کے محافظ خود اللہ تعالیٰ ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (۳۸)

اہل مغرب کی تین تنظیمیں: استشراق، تبشیر اور استعمار

اہل مغرب درج ذیل تین منظّم تنظیموں میں منقسم ہیں:

۱۔ ایک وہ ہیں جو عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ یہ لوگ دیگر مذاہب اور دین اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کی فوقیت ثابت کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ یہ کھل کر اسلامی تعلیمات اور تاریخ اسلام کی مقتدر و معتبر شخصیات کے کردار پر بحث کرتے ہیں۔ یہ لوگ "مبشر" اور "منصر" کہلاتے ہیں، اور ان کی تحریک کو "تبشر" یا "تنصیر" کی تحریک کہا جاتا ہے۔

۲۔ مغربی سیاستدان ، سفارتکار اور فوجی جو مشرقی ممالک پر استعماری غلبے کی کوشش کا حصہ ہے وہ "مستعمرین" کہلاتے ہیں،اور جس تحریک سے ان لوگوں کا تعلق ہے اس تحریک کو "تحریک استعمار" کہاجاتا ہے۔

۳۔ اور جو لوگ علم کی خدمت کا لبادہ اوڑھ کر مصروف عمل ہیں وہ مستشرقین کہلاتے ہیں اور جس تحریک سے ان لوگوں کا تعلق ہے۔اسے "تحریک استشراق" کہاجاتا ہے(۳۹)۔

عموماً یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ تینوں تنظیمیں الگ ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں ایک ہی ہیں اور ان کے کام میں بھی بہت زیادہ ہم آہنگی پائی جاتی ہے(۴۰)۔

یہودی اور تحریک استشراق

عام طور پر تحریک استشراق کو عیسائیوں کی ایک تنظیم تصور کیاجاتا ہے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ استشراق کی تحریک میں جس طرح عیسائی کام کرتے ہیں، اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ یہودی لوگ کام کرتے ہیں۔ مستشرقین کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ متعدد یہودی علماء مستشرقین کے طور پر مشہور ہیں نہ کہ یہودی عالم کے طور پر مثلاً: گولڈ زیہر (۴۱)، غرو نباوم، سلیمان مونک، ایڈورڈ غلازر، ا۔ی۔فنسنک، ڈیوڈ صموئیل، مارگولیتھ، کارل بروکلمان، جوزف شاخت وغیرہ۔اس طرح کے یہودی الاصل مستشرقین نے تحریک استشراق کو فروغ دینے میں بہت اہم کردار ادا کیا(۴۲)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کے مخالف ہیں مگر تحریک استشراق کو فروغ دینے میں دونوں کا برابر کا کردار ہے۔اس کی وجہ یہ ہے تحریک استشراق کے مقاصد وہی ہیں جو یہودیوں کے ہیں۔ مستشرقین خواہ عیسائی ہوں یا یہودی دونوں مسلمانوں کا رشتہ دین اسلام سے توڑنا چاہتے ہیں۔ یہودی تو آغاز ہی سے اسلام دشمنی میں مشہور ہیں۔اس حقیقت کو تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾

(ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو)۔

اس لیے جب یہودیوں کو مسلمانوں کی مخالفت کے لیے "تحریک استشراق" کی صورت میں ایسا پلیٹ فارم ملا جو ان کے دشمن عیسائیوں نے قائم کیا تھا تو انہوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے دشمنوں سے تعاون کر لیا۔

اسلام دشمنی کے علاوہ یہودیوں کے تحریک استشراق میں شامل ہونے کی ایک وجہ سیاسی بھی ہے۔ یہودی اپنے کو خدا کی چنی ہوئی لاڈلی قوم تصور کرتے ہیں۔ان کے مذہبی ادب میں یہ بات لکھی ہوئی ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ یہ ساری دنیا صرف یہودیوں کے لیے بنائی گئی ہے۔ یہودیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حکومت کے لیے صرف بنو اسرائیل کی قوم تخلیق ہوئی ہے باقی ساری قومیں ان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

آج کل دنیا میں یہودی اسرائیل کی ایک چھوٹی سی ریاست کے مالک ہیں لیکن عملاً وہ اس وقت دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ دنیا کی مالیات پر ان کا قبضہ ہے۔ الیکٹرانک میڈیا ان کے قبضے میں ہے۔ امریکہ اور اقوام متحدہ کا ادارہ ان کی مٹھی میں ہیں وہ اپنی دولت اور دوسروں کے وسائل کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔

یہودی گو تحریک استشراق کا حصہ ہیں لیکن ان کے عزائم مستشرقین سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ صیہونیت اور ماسونیت جیسی تحریکیں یہودیوں کے زیر اثر کام کر رہی ہیں۔ ان تحریکوں کے منصوبے اور پروگرام ساری انسانیت کے لیے خطرناک ہیں (۴۳)۔

تحریک استشراق کے محرکات

مستشرقین کی تحریک (تحریک استشراق کے معرض وجود میں آنے کے کئی اسباب و محرکات ہیں ان میں سے بنیادی نوعیت کا محرک دینی تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اس (تحریک) کے درج ذیل چار محرک بیان کیے ہیں (۴۴):

۱۔ مشنری محرک

استشراق کا سب سے بڑا مقصد عیسوی مذہب کی اشاعت و تبلیغ اور اسلام کی ایسی تصویر پیش کرنا ہے کہ مسیحیت کی برتری اور ترجیح خود بخود ثابت ہو اور نئی نسل کے لیے مسیحیت میں کشش پیدا ہو۔

۲۔ سیاسی محرک

دینی محرک کے علاوہ سیاسی عنصر بھی قابل غور ہے۔ جس کا مرکزی نقطہ مشرق میں مغربی حکومتوں کے لیے اقتدار کا ہراول دستہ کی موجودگی اور مغربی حکومتوں کو علمی کمک اور رسد پہنچانا ہے۔ نیز ان مشرقی اقوام و ممالک کے رسم و رواج، طبیعت و مزاج، طریق زبان و ادب بلکہ جذبات و نفسیات کے متعلق صحیح اور تفصیلی معلومات بہم پہنچانا ہے۔

۳۔ اقتصادی محرک

استشراق کا اہم محرک اقتصادی طور پر مضبوط ہونا ہے۔ متعدد مغربی لوگ اس فکر کی ترویج میں اپنا کردار ادا کر کے مشرقیات اور اسلامیات کی کتابیں تحریر کرتے ہیں جن کی یورپ اور ایشیا میں بہت بڑی منڈی ہے۔ اس ذریعہ سے وہ ناشرین سے ایک پیشہ ور مستشرق کی حیثیت سے بہت سے مالی فوائد حاصل کرتے ہیں۔

۴۔ علمی و تحقیقی محرک

ان مقاصد کے علاوہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض فضلاء مشرقیات و اسلامیات کو اپنے علمی ذوق و شغف کے ما تحت بھی اختیار کرتے ہیں اور اس کے لیے دیدہ ریزی، دماغ سوزی اور جفاکشی سے کام لیتے ہیں جس کی داد نہ دینا ایک اخلاقی کوتاہی اور علمی ناانصافی ہے۔ ان کی مساعی سے بہت سے مشرقی و اسلامی علمی جواہرات و نوادر پردہ خفا سے نکل کر منصہ شہود پر آئے۔ متعدد اعلیٰ اسلامی ماخذ اور تاریخی وثائق ان کی محنت و ہمت سے پہلی مرتبہ شائع ہوئے۔

اس علمی اعتراف کے باوجود مستشرقین عمومی طور پر اہل علم کا وہ بدقسمت اور بے توفیق گروہ ہے جس نے قرآن و حدیث، سیرت نبوی، فقہ اسلامی اور اخلاق و تصوف کے سمندر میں بار بار غوطے لگائے اور بالکل خشک دامن اور تہی دست

واپس آیا بلکہ اس کا عناد اسلام سے دوری اور حق کے انکار کا جذبہ اور بڑھ گیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک نتائج ہمیشہ مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔

مستشرقین کے مقاصد

حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ مستشرقین کے ان اغراض و مقاصد سے بے خبر ہیں جن کے تحت انہوں نے اسلامی علوم کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور دین اسلام، نبی اکرم ﷺ اور ہر مقدس چیز پر مسلسل وار کیے اور کر رہے ہیں۔ مستشرقین کے مقاصد کئی طرح کے ہیں مگر اختصار کے پیش نظر یہاں صرف ان کے دینی، علمی، اقتصادی اور سیاسی مقاصد کو بیان کیا جاتا ہے:

ا۔ دینی مقاصد

مستشرقین کی تحریک کا آغاز دینی مقصد کے تحت ہوا تھا کیونکہ "ہلال و صلیب کے درمیان صدیوں جو معرکہ آرائی رہی اس کے بنیادی اسباب دینی تھے اور استشراق کی تحریک چونکہ اس طویل کشمکش کا حصہ ہے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں کہ اس تحریک کا آغاز جن مقاصد کے تحت ہوا تھا وہ مقاصد بھی دینی تھے" (۴۵)۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب اور جہاں کہیں بھی اسلام پھیلا اور اسے غلبہ حاصل ہوا، خواہ ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی کا زمانہ ہو یا کوئی اور دور ہو، تو "انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ اگر اسلام کی اشاعت اسی رفتار سے جاری رہی تو ساری دنیا پر توحید کا پرچم لہرانے لگے گا، صلیبیں ٹوٹ جائیں گی، گرجوں کی گھنٹیاں خاموش ہو جائیں گی اور بنو اسرائیل کی قوم، جو صدیوں نبوت و حکومت کے عظیم مناصب پر فائز رہی تھی وہ نہ صرف عظمتوں سے محروم ہو جائے گی بلکہ اس کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ یہ خوف ان کے دلوں میں اس لیے پیدا ہوا کہ انہوں نے اس جرأت، حوصلے اور ایثار کے مظاہرے بار بار اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے جو قرآن حکیم اور دین اسلام نے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کر دیا تھا" (۴۶)۔

جب یہود و نصاریٰ نے اس طرح کے کئی اور خطرات کو بھانپ لیا تو "انہوں نے اسلام کے راستے میں بند باندھنے کی کوششیں کیں۔ یہود و نصاریٰ کا اسلام اور مشرق کے علوم کی طرف متوجہ ہونا اسلام کے راستے میں بند باندھنے کی کوششوں کا ہی حصہ تھا۔ علوم اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوتے وقت اپنے دین کے حوالے سے تین مقاصد ان کے پیش نظر تھے:

ا۔ دین اسلام کو دنیا کی اقوام میں عموماً اور یہودی و عیسائی اقوام میں خصوصاً پھیلنے سے روکا جائے۔

۲۔ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے تگ و دو کی جائے۔

۳۔ دین کے حوالے سے عیسائیوں کے عربی زبان اور مشرقی علوم کی طرف متوجہ ہونے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ ذہنی بیداری کے زمانے میں نصرانیت کے حلقوں میں بعض ایسے لوگ ظاہر ہوئے جنہوں نے اپنے مذہب کے روایتی عقائد کو خلاف عقل قرار دیا۔ انہوں نے ضروری سمجھا کہ اصل عیسوی عقائد معلوم کرنے کے لیے کتاب مقدس کو یورپی زبانوں میں ترجیحوں پر اعتماد کی بجائے عبرانی زبان کے نسخوں پر اعتماد کیا جائے" (۴۷)۔

دینی مقاصد کو حاصل کرنے کا طریقہ کار

مذکورہ بالا دینی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اہل کلیسا نے انتہائی غور و فکر کے ساتھ منصوبہ بندی کی۔ اشاعت اسلام کے راستے میں بند باندھنا، عیسائیت کو پھیلانا اور صدیوں سے مروج بائبل کی تعلیمات کا اصل عبرانی زبان کی تورات سے موازنہ کر کے اس کی غلطیوں کی تصحیح کرنا، تینوں ایسے مقاصد تھے جن کے لیے عربی زبان کا جاننا ضروری تھا۔

یہی وجہ تھی کہ یورپ اور دنیائے عیسائیت کے طول و عرض میں ایسے اداروں کا جال بچھ گیا جن میں عربی زبان کی تدریس کا بندوبست تھا۔ بڑے بڑے عیسائی لیڈر اس حقیقت سے آشنا ہو چکے تھے کہ عربی زبان سیکھے بغیر علم کا حصول ممکن نہیں اور علم کے بغیر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے اور انہیں نیچا دکھانے کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا (۴۸)۔

عربی زبان کو سیکھنے کے علاوہ کئی اور اقدامات بھی یہودیوں اور عیسائیوں نے کیے جن کے بہت پر اثر نتائج حاصل ہوئے۔ مستشرقین نے اسلام سے مقابلہ و مبارزت کے لیے جو پروگرام بنایا اس کی چند اہم شقیں یہ ہیں:

۱۔ ایسے آدمی تیار کیے جائیں جو مسلمانوں کی زبانوں، ان کے دین، ان کی تہذیب و تمدن، عقائد، تاریخ، اختلافات اور دیگر مظاہر حیات سے پوری طرح آگاہ ہوں۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی اپنی زبانوں میں گفتگو کر سکیں، ان میں گھل مل سکیں اور وہ مسلمانوں کے عقائد اور مذہبی اعمال کو اس انداز میں دیکھنے اور پیش کرنے کی مہارت رکھتے ہوں جو مستشرقین کے موقف کے مطابق ہو۔

۲۔ ان تربیت یافتہ لوگوں کو اسلامی ممالک میں تبلیغی مشنوں پر بھیجا جائے، جہاں وہ مختلف فلاحی اور خیراتی کاموں کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں کو عیسائیت کی طرف مائل کر سکیں۔

۳۔ ان مساعی میں کامیابی کے لیے مغربی سیاستدانوں سے گٹھ جوڑ کیا جائے تاکہ ان کی حمایت میں تبلیغی کوششیں بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہ سکیں۔

۴۔ تبلیغی کاموں کی خاطر سرمائے کی فراہمی کے لیے حکومتوں کے علاوہ بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں کے ساتھ بھی روابط قائم کیے جائیں۔

۵۔ اپنے کام کو منظم کرنے، اس کی رفتار تیز کرنے اور تبلیغی کوششوں کا رخ متعین کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً کانفرنسیں منعقد کی جائیں اور ایسی انجمنیں بنائی جائیں جو تبشیری کاموں کی نگرانی کر سکیں (۴۹)۔

۲۔ علمی مقاصد

مستشرقین کی پوری تحریک علمی لبادے میں کام کرتی ہے۔ یونیورسٹیوں میں علوم شرقیہ کی تعلیم حاصل کرنا، دنیا کے طول و عرض میں مدارس قائم کرنا، مخطوطات جمع کرنا، مختلف کتابوں کی تحقیق کرنا، کتابوں کو شائع کرنا، یہ تمام کام علمی کاوشوں کے زمرے میں شامل ہوتے ہیں۔ ان تمام علمی کاوشوں کے پیچھے علم کی خدمت کا جذبہ کارفرما نہ تھا بلکہ علم کی خدمت کے لبادے میں دراصل اسلام اور مسلمانوں سے مقابلہ مقصود تھا (۵۰)۔

مستشرقین کی ان علمی کاوشوں نے مغرب کے اہل کلیسا، رجال سیاست اور کاروباری اداروں کے لیے بھی راستے ہموار کئے (۵۱)۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مستشرقین کو جتنی کامیابی علمی مقاصد کے سلسلے میں حاصل ہوئی ہے اتنی کامیابی ان کو نہ تو تبشیر کے میدان میں حاصل ہوئی اور نہ ہی استعمار کے میدان میں (۵۲)۔

۳۔اقتصادی مقاصد

دینی اور علمی مقاصد کے علاوہ اقتصادی و معاشی (تجارتی) مقاصد بھی مستشرقین کے پیش نظر تھے جن کی وجہ سے وہ مشرقی زبانوں اور مشرق کے دیگر حالات کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ کئی مغربی ممالک نے عربی زبان سیکھی۔ ۱۲۶۵ء میں تونس اور اٹلی کے شہر "پیزا" کے تاجروں کے درمیان جو تجارتی معاہدہ ہوا اسے عربی زبان میں لکھا گیا (۵۳)۔

مشرقی ممالک میں دولت کے ذخیرے دیکھ کر اہل مغرب حیران رہ گئے۔ وہ اپنے آپکو مالی طور پر مضبوط کرنے کے لیے مشرقی ممالک کے ان قدرتی وسائل پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ ان کی اس آرزو کا اندازہ ایک مستشرق "روبراخ" کے ان جملوں سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے، لکھتا ہے:

"میں اس وقت کو اپنی چشم تخیل کے ساتھ کن حسین آرزوؤں سے دیکھ رہا ہوں جب (ہم بابل کے حسین علاقوں میں قیام پذیر ہوں گے) ہر طرف درختوں کی خوبصورت قطاریں ہوں گی۔ سیاہ فام مقامی لوگ شمالی عراق کے خوبصورت علاقوں کو ہماری خاطر خالی کر کے جنوب کے دور دراز علاقوں میں چلے جائیں گے تاکہ ہم جرمنوں کے لیے کثرت سے گندم پیدا کریں" (۵۴)۔

اس اقتباس سے عیاں ہے کہ اہل مغرب کی نظر میں صرف ممالک شرقیہ کی دولت پر ہی نہیں بلکہ وہ ان علاقوں کے باشندوں کو بھی اپنا غلام دیکھنا چاہتے ہیں (۵۵)۔ مشرقی ممالک میں بہت سے مادی فوائد اہل مغرب کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ اس لیے ان فوائد کو حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اہل مشرق کی زبانوں، جغرافیہ، زرعی وسائل، انسانی خصوصیات اور ان کے دیگر حالات سے آگاہی حاصل کریں تاکہ جب وہ اپنے مختلف مقاصد کی خاطر مشرق کا سفر کریں تو انہیں مشرقی لوگوں سے میل جول اور لین دین میں آسانی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ مالی کمپنیاں، تجارتی ادارے اور حکومتیں ان علاقوں کے تفصیلی جائزے کے لیے باقاعدہ مہمیں روانہ کرتی تھیں... (۵۶)۔

۴۔سیاسی مقاصد

مستشرقین جن مختلف مقاصد کی خاطر اقوام مشرق کی طرف متوجہ ہوئے تھے، ان میں سیاسی مقصد سر فہرست تھا۔ اقوام مغرب کے مشرق میں سیاسی مقاصد کو صرف دو عنوانوں کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ سارے عالم اسلام پر سیاسی غلبہ۔

۲۔ مملکت اسرائیل کا قیام (۵۷)۔

حصول مقاصد کے لیے اقدامات

ان دینی، علمی، اقتصادی اور سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے استعماری طاقتوں نے مستشرقین اور مبشرین پر بہت زیادہ دولت صرف کی۔ ان کی تنظیموں نے اس دولت کے بل بوتے پر تعلیمی اداروں، ہسپتالوں، فلاحی اداروں، غریبوں اور محتاجوں کے لیے امدادی منصوبوں، اخباروں ورسائل، کتابوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوشش کی (۵۸)۔

مستشرقین نے مسلمانوں کو فرقہ واریت میں ملوث کرنا چاہا تو اس مشن کی تکمیل کے لیے انہیں مسلمانوں کی صفوں میں سے کارکن مل گئے۔ انہوں نے اسلام کے بارے میں یہ فتوی صادر کیا کہ اس کی تعلیمات زمانے کے ساتھ نہیں دے سکتیں، تو اس فکری ترویج کے لیے کئی مسلمانوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ جہاد جو قصر ملت کے محافظ کی حیثیت رکھتا ہے، مستشرقین نے اسے ملت اسلامیہ کی زندگی سے خارج کرنے کا ارادہ کیا تو اس ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انہیں ایسے کارکن مل گئے جن کے نام مسلمانوں والے تھے (۵۹)۔

مستشرقین کی غلطیاں

محققین نے مستشرقین کی تین ایسی بنیادی نوعیت کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے جو دوسری کئی غلطیوں کو جنم دیتی ہیں۔ وہ تین غلطیاں حسب ذیل ہیں:

پہلی غلطی

مستشرین کی پہلی بنیادی غلطی ہے "شک و شبہ پیدا کرنے میں مبالغہ سے کام لینا، مفروضے قائم کرنا، حقائق کا کیفیاتی انکار اور ضعیف روایتوں پر اعتماد کرنا" (۶۰)۔

بقول ڈاکٹر جواد علی: "مستشرقین نے سیرت پر اپنے مطالعات میں مبالغہ سے کام لیا ہے، اور اس کے واقعات اور حقائق میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی بے پناہ کوشش کی ہے۔ اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ شاید رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تک میں شک کر بیٹھتے، کیونکہ آپ ﷺ کے اسم گرامی میں تو خیر انہوں نے شک کرنے کی کوشش کی بھی۔ مستشرقین سیرت کے بارے میں جو بھی نتیجہ تحقیق پیش کریں یہ حقیقت بہر حال روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت تمام دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کے مقابلہ میں زیادہ صحیح، واضح اور بین الثبوت ہے" (۶۱)۔

مستشرق درمنگھم کی رائے

مستشرقین کی اس معاندانہ اور غلو پر مبنی روش کا اعتراف مشہور مستشرق درمنگھم نے کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

"واقعی یہ بات افسوس ناک ہے کہ میور، نولدکے، اسپرنگر، دوزی، کیتانی، مارسین، گریم، گولڈزیہر، گوڈفریں جیسے ماہر مستشرقین نے تنقید میں غلو سے کام لیا ہے۔ ان کی کتابیں خاص طور پر تخریبی رنگ کی حامل ہیں۔ جن نتائج تک مستشرقین پہنچے وہ سب سلبی اور ناقص ہیں۔ حالانکہ سلبی انداز سے کوئی سوانح مرتب نہیں کی جاتی۔ میری اس کتاب میں ان متضاد تحقیقات کا جائزہ لینا مقصود نہیں ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ پادری یومانس بھی کچھ زیادہ ہی تعصب پرست نظر آتا

ہے۔ حالانکہ اس کو دور جدید کے بہترین مستشرقین میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنی بہترین کتابوں کو بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف نفرت سے داغدار کر دیا ہے۔ چنانچہ اس مسیحی فاضل کے نزدیک حدیث اگر قرآن کے موافق ہو تو اسے قرآن ہی سے ماخوذ سمجھا جائے گا، اگر دو موافق دلیلوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا جائے تو مجھے نہیں معلوم کہ پھر تاریخ کیونکر لکھی جاسکتی ہے (۶۲)۔

صرف قرآن مجید کو سیرت رسول ﷺ کا ماخذ قرار دینا

بعض مستشرقین قرآن مجید کو مطالعہ سیرت کے لیے ایک بنیادی مصدر قرار دیتے ہیں۔ مگر اس طرح وہ قرآن مجید کو دودھاری تلوار کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن مجید کو مصدر سیرت ٹھہرا کر مستشرقین نے سیرت کے ان تمام واقعات کا انکار کر دیا ہے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں نہیں ملتا، حالانکہ قرآن مجید تاریخ یا سیرت کی کوئی کتاب نہیں ہے، خصوصاً ایسے واقعات کا اگر قرآن مجید میں تذکرہ نہیں ملتا جن سے رسول ﷺ کی عظمت ثابت ہو اور ان کے انکار سے مستشرقین کا کوئی مطلب حل ہو رہا ہو تو وہ بے دھڑک ان کا انکار کر دیتے ہیں (۶۳)۔

مستشرقین نے ایسے متعدد واقعات کا انکار کیا ہے جن کے ثبوت پر تاریخ قوی دلیلیں پیش کرتی ہے۔ مثلاً مدینہ پر یہود کی طرف سے مختلف عرب قبائل کو حملہ پر آمادہ کرنے کا برو کلمان نے کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ غزوہ خندق کے نازک حالات میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بنو قریظہ کی عہد شکنی کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے اور صرف یہ لکھتا ہے کہ "پھر مسلمانوں نے بنو قریظہ پر حملہ کر دیا، جن کا رویہ بہر حال واضح نہ تھا" (۶۴)۔

ضعیف اور شاذ روایتوں پر اعتماد

مستشرقین کی عادت ہے کہ وہ ان ضعیف اور شاذ نوعیت کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں جو روایتی اور درایتی (یعنی تنقیدی) معیار پر پورا نہیں اترتیں، بقول ڈاکٹر جواد علی: "مستشرقین نے بسا اوقات کمزور حدیثوں کو بنیاد بنا کر فیصلے کیے اور مشہور و معروف حدیثوں کے مقابلہ میں شاذ اور غریب حدیثوں کو ترجیح دی۔ اس روایت کو جو متاخر ہو، یا ماہرین نقد نے اس کی غرابت کا حکم دیا اور اس کے شذوذ کا فیصلہ کیا ہے، مگر یہ مستشرقین عمداً اس کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ شبہات کی فضا پیدا کرنے میں وہی ان کا ایک تنہا وسیلہ ہے" (۶۵)۔

دوسری غلطی

مستشرقین کی دوسری بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ تاریخ کے واقعات کو خود ساختہ سیکولر نقطہ نظر اور معاصرین کے تناظر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایتین ڈینٹ (Etienne Dinet) کے بقول: "مستشرقین کے لیے اپنے ماحول، جذبات اور رجحانات سے کنارہ کش ہونا بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پر قلم اٹھاتے وقت انہوں نے اس قدر تحریفیں کی ہیں کہ ان کی تصویر ہی نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ لوگ اگرچہ تنقید کے منصفانہ اصولوں اور تحقیق کے علمی طریقہ کار پر کاربند ہونے کے دعوے کرتے ہیں، لیکن ان کی تحریروں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ محقق اگر جرمن ہے تو نبی اکرم ﷺ جرمن اسلوب میں گفتگو کر رہے ہوتے ہیں۔ محقق اگر اطالوی ہے تو

نبی اکرم ﷺ کا طرز کلام بھی ان ہی جیسا ہے۔ اس طرح محقق کی شہرت کے لیے نبی اکرم ﷺ کی شخصیت بدل جاتی ہے۔ ان کی تحریروں کے آئینہ میں نبی اکرم ﷺ کی اصل تصویر نہیں ابھرتی بلکہ ایک ایسی افسانوی تصویر نظر آتی ہے جو حقیقت حال سے ان کہانیوں سے بھی زیادہ دور ہے جو "واٹر اسکاٹ" یا "اسکو دیماس" نے ترتیب دی ہیں۔ مستشرقین سیرت کے حقیقی خدوخال نہیں دیکھ سکتے۔ انہوں نے مغربی منطق اور عصری تناظر میں اس کو دیکھنے کی کوشش کی (٦٦)۔

اطالوی مستشرق کیتانی ان بڑے مستشرقین میں سے ہے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر ابتداء میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن بقول ڈاکٹر جواد علی اس اطالوی مستشرق کیتانی کا انداز تحقیق بالکل مخالفانہ اور معاندانہ ہے۔ وہ حقائق کو توڑ مروڑ کر مطلوبہ نتائج نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اس کو اس بات کی قطعی فکر نہیں ہوتی کہ جن کمزور روایتوں کو بنیاد بنا کر مطلوبہ نتائج اخذ کرتا ہے وہ کسی بھی حال میں قابل استدلال نہیں ہیں (٦٧)۔

مستشرقین کی ایک اور غلطی

محققین نے مستشرقین کی ایک اور بنیادی نوعیت کی غلطی کی نشاندہی کی ہے اور وہ یہ ہے کہ مستشرقین سیرت کا مطالعہ ایک مصنوعی سیکولر انداز اور مخصوص تناظر میں ہی کرتے ہیں جو سیرت کی روح کو سمجھنے کے لیے قطعاً مناسب نہیں ہے۔ یہ نیا نظریہ بتاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے اقدامات کے ممکنہ نتائج کا پہلے سے علم نہ تھا۔ آپ ﷺ نے حالات اور تقاضوں کو سامنے رکھ کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں (٦٨)۔

مستشرقین کی اس غلطی پر مستشرقین ہی نے گرفت کی ہے جیسے ارنلڈ، گولڈزیہر، نولدکے اور سخاؤ وغیرہ (٦٩)۔

آرنلڈ نے ایک جگہ کھل کر لکھا ہے کہ: "اسلام جس طرح بت پرست عرب خطہ میں ایک نئی تحریک بن کر ظاہر ہوا اور جو تضادات اس کی اپنی قدروں اور سابق معاشرہ کی قدروں کے درمیان تھے اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ عرب معاشرہ میں اسلام کی آمد نے چند جاہلانہ رسموں ہی کو پیام اجل نہیں دیا بلکہ زندگی کی ساری قدروں اور روایتوں میں مکمل انقلاب برپا کر دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ محمد ﷺ کی دعوت کے بنیادی مقاصد اس وقت عربوں کے نقطہ نظر اور طرز زندگی کے برعکس تھے جس کے وہ شیدائی تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اسلام لانے کے بعد انہیں ان باتوں کو احترام کی نظروں سے دیکھنا پڑے گا جن کو وہ اس سے پہلے حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے (٧٠)۔

مغربی محققین سے ہمارا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ وہ قرآن مجید کو کتاب اللہ اور نبی اکرم ﷺ کو رسول اللہ ﷺ تسلیم کر کے اپنی تحقیق کا آغاز کریں لیکن ان سے ہماری یہ خواہش ضرور ہے کہ وہ اپنے ذاتی رجحانات سے مجرد ہو کر خالص معروضی طریقہ اختیار کریں اور پھر سیرت رسول ﷺ کا ایک کامل وحدت کی صورت میں اور قرآن مجید کا ایک عقیدہ پر استوار ایسے ہم آہنگ پروگرام کی طرح مطالعہ کریں جو وقتی حالات سے بالاتر تھا۔ اس میں اگرچہ زمان و مکان کے وقتی حادثات کا ذکر ہے لیکن ان کے پس منظر میں جو قدریں اور ہدایات ہیں ان کی جامعیت اور عمومیت سے مستشرقین کو غفلت نہیں برتنی چاہیے (٧١)۔

مستشرقین کی تیسری غلطی

مستشرقین کی تیسری بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سیرت رسول ﷺ کے افادی پہلو یہودیت اور مسیحیت سے ماخوذ ہیں۔ انہوں نے اپنے اس غلط خیال کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کی نبوت و سیرت کے واقعات کا مطالعہ کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر جواد علی نے ان کی اس غلط فکر کے درج ذیل اسباب بیان کیے ہیں:

"مسیحی مستشرقین کی اکثریت مذہبی طبقہ سے تعلق رکھتی ہے یا مذہبی درس گاہوں کی تعلیم یافتہ ہے۔ وہ اسلام کے بنیادی موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا اصل ماخذ و مصدر (Orignal Sourse) مسیحیت کو قرار دیں۔ اسی طرح اسرائیلی حکومت کے قیام اور صیہونیت کے غلبہ کے بعد یہودی مستشرقین کی بھی یہی کوشش رہی کہ عربی اور اسلامی روایات وامتیازات کو یہود الأصل ثابت کریں۔ اپنے طرز عمل میں دونوں گروہ اپنے ذاتی رجحانات اور مذہبی جذبات کے زیر اثر نظر آتے ہیں" (۷۲)۔

سیرت رسول ﷺ پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے جوابات

مستشرقین نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کو خصوصی طور پر اپنے مذموم حملوں کا نشانہ بنایا اور قسم قسم کے اعتراضات کیے "انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے دامن مبارک کو داغدار کرنے کے لیے مختلف انداز اختیار کیے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو ڈراموں، فلموں اور تصویری کہانیوں کے ناپسندیدہ کردار کی شکل میں پیش کیا۔ کبھی آپ ﷺ کے جسد انور کو جہنم کے پست ترین درجوں میں دکھایا۔ کبھی یہ ظاہر کیا کہ حضور ﷺ کا جسد انور زمین وآسمان کے درمیان معلق ہے۔ کبھی آپ ﷺ کو دشمن مسیح علیہ السلام بنا کر پیش کیا۔ کبھی آپ ﷺ کو ایک بت کی شکل میں پیش کیا۔ کبھی انہوں نے ظاہر کیا کہ حضور ﷺ نے ایک کبوتر پال رکھا تھا، جو آپ ﷺ کے کانوں پر آکر بیٹھتا اور آپ لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے کہ یہ فرشتہ ہے جو وحی لے کر آیا ہے (۷۳)۔

مستشرقین کی سیرت نویسی کا یہ انداز قرون وسطی میں عام تھا اور آج بھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوا۔ سلیمان رشدی نے "Satanic Verses" کو اسی انداز میں لکھا ہے جس انداز میں قرون وسطی کے مستشرقین حضور ﷺ کے متعلق لکھتے رہے ہیں (۷۴)۔

حضور ﷺ کی عظمت اور صداقت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ کے دشمن آپ کے خلاف کبھی کسی الزام پر متفق نہیں ہو سکے۔ ایک مستشرق نے آپ کے خلاف جو الزام تراشا، دوسرے مستشرق نے اس کی تردید کر دی۔ ایک دشمن نے حضور ﷺ کے کردار کو مجروح کرنے کے لیے کوئی شوشہ چھوڑا تو کسی دوسرے دشمن نے اس کو بے بنیاد قرار دے دیا۔ ہمیں مستشرقین کے تحریروں میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں (۷۵)۔

مستشرقین کی یہ عادت ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی مقدس شخصیت کے متعلق طرح طرح کے مفروضے گھڑتے ہیں اور انہیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ جس مستشرق کے باطن میں جتنا زیادہ خبث جمع تھا، اس نے اتنی ہی سفاکی سے نبی اکرم ﷺ پر وار کئے ہیں۔ اور جن مستشرقین کے ضمیر میں زندگی کی کوئی رمق باقی تھی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے کردار

میں کبھی کبھی روشنی کی کوئی کرن دیکھی ہے، وہ ان کے قلم پر بھی آئی ہے لیکن پھر تعصب اور مصلحت کے بوجھ تلے دب کر دم توڑ گئی ہے۔ کچھ خوش نصیب مستشرقین ایسے بھی ہیں جنہوں نے سیرت رسول ﷺ سے اٹھنے والی نور کی کرن سے اپنے دلوں کو منور کیا ہے اور دشمنان رسول سے ناطہ توڑ کر غلامان رسول ﷺ کی صف میں شامل ہو گئے ہیں، جیسے:

۱۔ عبداللہ بن عبداللہ (۷۶)۔

۲۔ رُسِل ویب (Russel Webb)، ان کا پرانا نام الیگزینڈر رسل ویب ہے۔ پہلے عیسائی، پھر مادہ پرست اور بالآخر توفیق الٰہی سے مسلمان بن گئے (۷۷)۔

۳۔ ڈاکٹر مارٹن لنگز (Dr.Marin Lings)۔ یہ برطانوی مستشرق تھے اور مصر میں انگریزی کے پروفیسر رہے۔ یہ بقول علامہ زکریا ہاشم زکریا: "تصوف کی سیڑھی کے ذریعے خدا تک جا پہنچے۔ ان کا اسلامی نام ابو بکر سراج الدین ہے" (۷۸)۔

۴۔ ڈاکٹر ارمتھر کین۔ یہ امریکی ماہر نفسیات تھے، توفیق الٰہی سے مسلمان ہو گئے اور اپنا نام علی عمر کریم رکھا (۷۹)۔

۵۔ جان سنت۔ یہ برطانوی انگریز مبشر تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنا نام "محمد جان" رکھا (۸۰)۔

ان مستشرقین کے علاوہ کئی اور لوگ بھی ہیں جنہوں نے بالآخر اسلام قبول کر لیا، مثلاً: جرمن مفکر علاؤ الدین شبلی، فرانسیسی مستشرق الفونس اتیین (ناصر الدین) لارڈ ہیڈلے الفارق (Lord Headly Al-Farooq)، پولینڈی مستشرق لیوپولڈ ولیس (علامہ اسد)، جرمن مستشرق ڈاکٹر عبداللہ اسٹریلوی مستشرق ڈاکٹر عمر رولفایر نفلس (Dr. Umar Rolf Ehrenfels)، فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر غرینیہ، برطانوی مستشرق ڈاکٹر خالد شیلڈرک (Dr. Khalid Sheldrick)، امریکی یہودی خاتون محترمہ مریم جمیلہ وغیرہ (۸۱)۔

الزامات مستشرقین کا رد کرنے والوں کے لیے مشکلات

جو مسلمان مستشرقین کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر لگائے گئے الزامات کا رد کرتے ہیں انھیں سب سے پہلے جس مشکل سے واسطہ پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ مستشرقین حضور ﷺ کے خلاف الزام تراشی میں کسی ایک نکتے پر متفق نہیں ہوتے بلکہ بہانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں، مثلاً: پورا عالم یہودیت و نصرانیت حضور ﷺ کے سر پر تاج نبوت سجنے کی وجہ سے پوری نسل اسماعیل کا دشمن ہے اور اس دشمنی کے اظہار کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لونڈی کی اولاد ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن دوسری طرف استشراق کا لبادہ اوڑھنے والے کچھ یہودی اور عیسائی وہ ہیں جو حضور ﷺ کو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی نسل سے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ کچھ مستشرق کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دولت، شہرت اور اقتدار کے حصول کے لیے ایک نیا مذہب گھڑا تھا اور اس مذہب کے ذریعے دھوکے سے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا تھا لیکن کچھ وہ مستشرق ہیں جو حضور ﷺ کے لیے دھوکے باز کا لفظ استعمال کرنے کی جرأت نہیں کرتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ آپ جو کچھ کہتے تھے، اس کی صحت و صداقت پر آپ کو کامل یقین تھا لیکن آپ اپنے اس عقیدے میں غلطی پر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین کے خیالات کی تردید کے لیے ان کے متضاد دعوؤں کا تعاقب کرنا پڑتا ہے (۸۲)۔

اعتراضات مستشرقین کی مختلف نوعیتیں

مستشرقین نے حضور ﷺ کی سیرت پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ عربوں کے ہاں خاندانی وجاہت ایک بہت بڑا انسانی کمال شمار ہوتا تھا، مستشرقین حضور ﷺ کی خاندانی وجاہت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جدید مادیت زدہ دور میں دولت کو انسانی عظمت کی کسوٹی سمجھا جاتا ہے، مستشرقین اس کسوٹی کو حضور ﷺ پر لاگو کر کے آپ کا مقام گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بیسویں صدی عیسوی کی مادی اقدار کو ساتویں صدی عیسوی کے عربوں پر منطبق کر کے مکہ کی مارکیٹ میں ایسے طاقت ور اجارہ داروں کا سراغ لگانے کی کوشش کرتے ہیں جو کمزور قبائل کو تجارت کے میدان میں سر اٹھانے کی مہلت نہ دیتے تھے۔ حضور ﷺ کو دھوکے باز ثابت کرنے کے لیے وہ پورا زور لگاتے ہیں تاکہ یہ ثابت کریں کہ حضور ﷺ نے یہودیت اور عیسائیت سے تعلیمات اخذ کیں، ان کی بنیاد پر ایک دین وضع کیا اور دعوی کیا کہ یہ الہامی دین ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ وہ حضور ﷺ کے اخلاق پر حملہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کو شہوت پرست اور ظالم قرار دیتے ہیں۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ کسی اصول کے پابند نہ تھے بلکہ جب ضرورت پڑتی تھی، اصولوں کو توڑ دیتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ انہیں وحی کے ذریعے اس غلط اصول کو توڑنے کا حکم ملا ہے (۸۳)۔

تاریخ کا انکار

مستشرقین اپنے دعوؤں کو ثابت کرنے کے لیے مسلمانوں کی مصدقہ تاریخ کا انکار کرتے ہیں۔ قرآنی آیات کی من مانی تشریح کرتے ہیں اور ہر زعم باطل کو ثابت کرنے کے لیے اپنے تخیل کے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہیں (۸۴)۔

مستشرقین کے اس تاریخی پس منظر اور سیرت رسول ﷺ کے متعلق مستشرقین کے رویوں کو مختصراً بیان کرنے کے بعد اب ان کے شکوک و شبہات میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے جو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پر کیے ہیں:

ا۔ نبی اکرم ﷺ کی خاندانی وجاہت کو کم کرنا

مستشرقین نے نبی اکرم ﷺ کی خاندانی وجاہت کو کم کرنے کے لیے کئی طرح کے مفروضے قائم کیے ہیں، مثلاً:

الف۔ پہلا مفروضہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جو تعلق ہے، یہ آپ ﷺ کے ماننے والوں کی اختراع ہے۔

ب۔ دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہونا کوئی فخر کی بات نہیں کیونکہ وہ (یعنی اسماعیل علیہ السلام) خود ایک لونڈی کی اولاد تھے۔

ج۔ تیسرا مفروضہ یہ ہے کہ مکہ کے قبائل میں خاندان بنو ہاشم کی حیثیت معمولی تھی۔ مکہ میں دیگر قبائل معاشی اور سیاسی طور پر بڑے طاقت ور تھے اور ان کے مقابلے میں خاندان بنو ہاشم کی کوئی حیثیت نہ تھی (۸۵)۔

مستشرقین بالخصوص ولیم میور اور منٹگمری واٹ کے خیالات (۸۶) کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد واضح طور پر عیاں ہوا ہے کہ:

i۔ ولیم میور نے کھلے الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی خاندانی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اپنا تعلق جوڑا تھا اور پھر اس رشتے کو ثابت کرنے کے لیے مختلف افسانے تراشے گئے تھے۔ گویا عربوں کا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام سے نہ کوئی تعلق تھا اور نہ انہیں اس تعلق کا علم تھا۔ یہ تعلق تو حضور ﷺ کی خواہش کی پیداوار ہے۔

ii۔ منٹگمری واٹ اس رشتے کا انکار تو نہیں کرتا لیکن وہ کہتا ہے کہ عربوں کو حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے ساتھ اپنے تعلق کا علم نہ تھا اور مسلمانوں کو بھی ہجرت سے پہلے ان چیزوں کے متعلق معلومات حاصل نہ تھیں۔ ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کا یہودیوں سے رابطہ ہوا تو انہیں پتہ چلا کہ وہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی اولاد ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین سچا دین تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ارجمند تھے اور ان دونوں نے مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔

منٹگمری واٹ بھی دراصل وہی بات کہنا چاہتا ہے جو ولیم میور نے کی ہے لیکن اس نے یہ بات کہنے کے لیے ایک شاطرانہ چال چلی ہے۔ وہ کہنا چاہتا ہے کہ عربوں کو اپنے حافظے پر ناز تھا۔ اپنے نسب نامے یاد کرنا اور انہیں فخر سے پیش کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اگر وہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی اولاد ہوتے تو لازماً ان کی قومی روایات میں ذکر موجود ہوتا۔ ان کی قومی روایات میں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا ذکر نہ ہونا اور قرآن کریم کی مکی سورتوں میں ان کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کا مذکرہ نہ ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے پاس ان ہستیوں کے ساتھ اپنے تعلق کو ثابت کرنے کا کوئی ثبوت نہیں کیونکہ انہوں نے یہ باتیں یہودیوں سے سیکھی ہیں اور یہودیوں اور ان کی کتابوں کو مسلمان قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔

تردید

ولیم میور اور منٹگمری واٹ کے یہ سارے مفروضے بے بنیاد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی اولاد سمجھتے تھے۔ انہیں ان عظیم ہستیوں کی اولاد ہونے پر فخر بھی تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ خانہ کعبہ کو ان ہی نفوس قدسیہ نے تعمیر کیا تھا اور جس دین پر وہ کاربند تھے، ان کے خیال میں وہ دین ابراہیم ہی تھا اور بزعم خویش وہ یہی سمجھتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کر رہے ہیں (۸۷)۔

خاندان بنو ہاشم کا مقام گھٹانے کی کوشش

مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ "مستشرقین نے اسلامی تحریک کو ایک طبقاتی تحریک ثابت کرنے کے لیے خاندان بنو ہاشم کا مقام گھٹانے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دولت مندوں کے مظالم سے تنگ آیا ہوا طبقہ سرمایہ داروں کے خلاف محمد ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا تھا۔ وہ اپنے اس مفروضے کو کیسے ثابت کر سکتے ہیں جبکہ یہ دعوت وہ تھی جس پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے خدیجہ الکبریٰ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما تھے جن کا معاشی مقام مکہ کے

کسی سردار سے کم نہ تھا۔ اس دعوت کو قبول کرنے والوں میں غلام بھی تھے، کمزور بھی تھے اور وہ بھی تھے جنہوں نے ان گھرانوں میں جنم لیا تھا جنہیں مستشرقین بہت ہی دولت منداور بہت ہی طاقت ور قرار دیتے ہیں" (۸۸)۔

مستشرقین کی خاندان بنو ہاشم کے مقام کو گھٹانے کی کوششیں اسی نوعیت کی ہیں جس نوعیت کی کوششیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چھوٹے پیمانے کا تاجر ثابت کرنے کی ہیں۔ یہ تمام تردد کرنے کی ضرورت انہیں اس لیے پیش آئی ہے کہ وہ تحریک اسلامی کے آغاز وارتقاء کو جس انداز میں دیکھنا چاہتے ہیں، اسے اسی انداز میں دیکھ سکیں۔ تاریخ، دعوت اسلامی کے متعلق ان کے اس نظریے کی بھی تکذیب کرتی ہے اور اس نظریے کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے بنو ہاشم کے سماجی مقام کو گھٹانے، ان کی سیاسی حیثیت کو کم کرنے اور تمام مسلمانوں کو بے اثر اور بے بس ظاہر کرنے کی جو کوشش کی ہے، اس کو بھی جھٹلاتی ہے۔ حق وہی ہے جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

"میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے مخلوق کے بہترین طبقے میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے دو گروہ بنائے اور مجھے بہترین گروہ میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو قبائل میں تقسیم کیا اور مجھے بہترین قبیلے میں رکھا، پھر ان کو خاندانوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین خاندان میں رکھا۔ میں اپنے خاندان اور اپنی ذات دونوں لحاظ سے مخلوق میں افضل ہوں" (۸۹)۔

نبی اکرم ﷺ کے معاشرتی مقام کو گھٹانے کی مذموم کوششیں

مستشرقین نبی اکرم ﷺ کے سماجی و معاشرتی مقام و مرتبہ کو گھٹانے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں۔ وہ حضور ﷺ کی شخصیت کی جو تصویر اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں، اس تصویر میں کوئی ایسی چیز موزوں نہیں ہوتی، جس سے آپ کے کسی کمال کی عکاسی ہوتی ہو۔ مستشرقین کا مقصد چونکہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے متعلق مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنا اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف متوجہ ہونے سے روکنا ہے، اس لیے وہ حضور ﷺ کے متعلق کچھ لکھتے وقت اپنے قارئین کے ذہنی رجحانات اور دور حاضر کی مادی اقدار کو بھی مد نظر رکھتے ہیں (۹۰)۔

مستشرقین سوچتے ہیں کہ اگر وہ حضور ﷺ کی خاندانی عظمت کو گھٹا کر پیش کریں گے تو ان لوگوں کی نظروں میں آپ کا مقام گھٹے گا جن کے نزدیک صرف اور صرف نسل ہی معیار عظمت ہے۔ اور اگر وہ آپ کو مادی طور پر کمزور، بے آسرا اور احساس محرومی کا شکار ثابت کریں گے تو قارونی سوچ رکھنے والے ان لوگوں کی نظروں میں آپ کا مقام گھٹے گا جو انسان کی قیمت اس کا بنک بیلنس دیکھ کر لگاتے ہیں (۹۱)۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نسلی لحاظ سے دنیا کا کوئی انسان حضور ﷺ کا مد مقابل نہ تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے نسل کو کبھی انسانوں کے لیے وجہ عظمت قرار نہیں دیا۔

مستشرقین حقائق کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں کہ حقیقت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ جس طرح انہوں نے خاندان بنو ہاشم کو ایک معمولی خاندان ثابت کرنے کے لیے کوششیں کی ہیں، اسی طرح کی کوششیں انہوں نے آپ ﷺ کو ایک بے بس اور معاشرے کا ٹھکرایا ہوا انسان ثابت کرنے کے لیے کی ہیں۔

ان کوششوں سے ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کو ایک ایسا شخص قرار دے سکیں جو احساس محرومی کا شکار ہو اور اسلام کو آپ کی احساس محرومی سے جنم لینے والی ایک تحریک قرار دے سکیں (۹۲)۔

حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین نبی اکرم ﷺ کی شان کو گھٹانے کی جتنی بھی کوششیں کریں وہ اس مقصد میں ہر گز کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ "خدا نے اپنے حبیب ﷺ کو جو عظمتیں اور رفعتیں عطا کی ہیں وہ ان سے نہ کوئی ابو جہل اور ابو لہب چھین سکا اور نہ ہی آپ سے ان عظمتوں کو کوئی ولیم میور، کوئی مارگولیس، کوئی منٹگمری واٹ اور کوئی جارج سیل چھین سکتا ہے۔ محمد ﷺ کی ذات بابرکات ایک آفتاب ہے جس کی کوئی کرن جس کسی پر پڑتی ہے وہی عظیم ہو جاتا ہے۔ اس آفتاب کی کرن جب ابو بکر پر پڑتی ہے وہ صدیق اکبر بن جاتا ہے، عمر بن خطاب پر پڑی ہے تو وہ فاروق اعظم بن جاتا ہے اور بلال حبشی جیسے غلام پر پڑتی ہے تو سیدنا بلال بن جاتا ہے (۹۳)۔ جیسے خدا نے عظمتیں تقسیم کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے، کس کی مجال کہ خود اس کو عظمتوں سے محروم کر دے۔ ڈانٹے اور والٹیئر سے لے کے ولیم میور اور سلمان رشدی مستشرقین اور ان کے شاگردوں نے اس آفتاب عظمت سے اس کی کرنیں چھیننے کی کتنی کوششیں کی ہیں، لیکن ان کوششوں کے باوجود آج بھی عظمت مصطفوی کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہے اور کیوں نہ چمکے خود خالق کائنات نے فرمادیا ہے:

{وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ} (۹۴)۔

"اور ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا"۔

اور اس آفتاب کی تنویرات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے گا، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ وعدہ خداوندی ہے:

﴿وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ﴾ (۹۵)۔

"اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے"۔

۲۔ مستشرقین نے نبی اکرم ﷺ پر ایک الزام یہ لگایا ہے کہ آپ ﷺ (نعوذ باللہ) مرگی کے مریض تھے... جن واقعات سے انہوں نے آپ ﷺ کے مرگی کے مرض میں مبتلا ہونے کا سراغ لگایا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

i۔ حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے آپ کی والدہ کا فرشتوں کو دیکھنا۔

ii۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کی روایت کے مطابق فرشتوں کا آپ ﷺ کے سینے کو چاک کرنا۔

iii۔ حالت وحی میں نبی اکرم ﷺ کی حالت کا متغیر ہونا۔

iv۔ کفار مکہ کا آپ ﷺ کو مجنون کہنا۔

v۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کا حضور ﷺ کے سر پر بادل کو سایہ کیے ہوئے دیکھنا۔

مذکورہ بالا واقعات میں سے کوئی بھی واقعہ ایسا نہیں جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ حضور ﷺ مرگی کے مریض تھے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ مستشرقین نے عملاً ان واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ سپرنگر نے حضرت آمنہ کے فرشتوں کو دیکھنے کو مرگی کا مرض سمجھا اور اس کو حضور ﷺ کا موروثی مرض قرار دیا (۹۶)۔

مستشرقین نے حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے جن واقعات اور کیفیات کی تعبیر مرگی کے مرض سے کی ہے، کوئی زندہ ضمیر اور عقل سلیم رکھنے والا انسان ان واقعات و کیفیات کو مرگی کے دورے قرار نہیں دے سکتا۔ مرگی کوئی ایسا مرض نہیں جو پوشیدہ رہے۔ مصروع (مرگی کا مریض) جہاں بیٹھا ہو دیکھنے والے فوراً پہنچان لیتے ہیں کہ یہ مرگی کا مریض ہے۔ کسی غیر متعصب انسان کی عقل یہ تسلیم نہیں کر سکتی کہ کوئی مرگی زدہ شخص چونسٹھ سال زندہ رہا ہو۔ اس نے عمل اور ہنگاموں سے بھرپور زندگی گزاری ہو۔ اس کے ارد گرد انسانوں کا ہجوم رہا ہو اور کسی دیکھنے والے کو یہ محسوس نہ ہوا ہو کہ یہ شخص مرگی کا مریض ہے۔ اس کے برعکس وہ اسے خدا کا رسول سمجھیں۔ وہ مرگی کے اثر سے جو کچھ کہے اسے کلام خداوندی قرار دیں۔ اور اس کے اشارہ پر اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لیے بے قرار رہیں۔ اور جو حقیقت ایسے شخص کے لاکھوں ہم عصروں کی نظروں سے پوشیدہ رہی ہو اسے کوئی صدیوں بعد یورپ کے محققین اپنی غیر جانبدارانہ معروضی تحقیق کے بل بوتے پر تلاش کر لیں (۹۷)۔

حضور ﷺ نے ہجرت کے بعد اپنی ساری زندگی مسجد نبوی میں نمازوں کی امامت کی اور خطبے دیئے کیا مستشرقین بتا سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ان فرائض میں مرگی کی وجہ سے کبھی خلل پڑا۔ حضور ﷺ نے بے شمار جنگوں میں فوجیوں کی قیادت خود کی۔ کیا اپنے سے کئی گنا زیادہ فوجوں کے مقابلے میں لشکر کی قیادت ایک مرگی زدہ شخص کو سونپنا کسی جنگی ضابطے کی رو سے ممکن تھا؟ مرگی زدہ شخص تو دیکھنے والوں کے لیے سامان عبرت ہوتا ہے۔ نقاہت اور بیماری اس کے انگ انگ سے ٹپک رہی ہوتی ہے اور دیکھنے والے اس کے لیے ہمدردی کے دو بول بولنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن مستشرقین جس ہستی کو مرگی کا مریض قرار دینے کی جسارت کر رہے ہیں، اس کے رخ انور کو جو دیکھتا ہے سو جان سے نثار ہوتا ہے (۹۸)۔

مستشرقین حضور ﷺ کے مردانہ حسن و جمال سے بھی واقف ہیں اور آپ نے جو کامیاب ترین زندگی گزاری اور اس میں جو محیر العقول کارنامے سرانجام دیئے انہیں بھی وہ بخوبی جانتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ حضور ﷺ کو مرگی کا مریض قرار دینے میں خجالت محسوس نہیں کرتے۔ مستشرقین کے اس حیران کن رویے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آج کل عالم عیسائیت میں جو مذہب عیسائیت کے نام سے مروج ہے، اس کا بانی سینٹ پال مرگی کا مریض تھا۔ ممکن ہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ اگر سینٹ پال جیسا بڑا آدمی مرگی کا مریض ہو سکتا ہے تو پھر کوئی دوسرا عظیم انسان مرگی کا مریض کیوں نہیں ہو سکتا۔

یاد رہے کہ سینٹ پال پر مرگی کا مریض ہونے کا الزام ہم نہیں لگا رہے بلکہ ان کے سر پر یہ تاج ان کے اپنے پیروکاروں نے رکھا ہے۔ کولیئر انسائیکلوپیڈیا (Coller (Encyclopaedia میں ان مشہور لوگوں کی فہرست دی گئی ہے جو مرگی کے مریض تھے۔ ان میں سینٹ پال کا نام بھی شامل ہے (۹۹)۔

مختصر یہ کہ کوئی تاریخی ثبوت ایسا نہیں جس کے تحت حضور ﷺ کو مرگی کا مریض قرار دیا جا سکے۔ آپ کی قابل رشک صحت، زندگی کے مختلف شعبوں میں آپ کی حکیمانہ تدبیریں، مشکل ترین حالات میں آپ کو صبر و ثبات اور آپ کی حیات طیبہ کے محیر العقول کارنامے، آپ کو مرگی کا مریض کہنے والوں کی عقلوں پر مسکرا رہے ہیں۔ بیشمار مستشرقین آپ کے کٹر مخالف ہونے کے باوجود آپ پر لگائے جانے والے اس الزام کی تردید کرتے ہیں۔ سائنس بتا رہی ہے کہ مرگی کا مرض ایسا موذی مرض

ہے کہ اس کا مریض کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دینا تو درکنار، اپنے ذاتی معاملات کو سلجھانے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ اتنے واضح حقائق کے باوجود جو لوگ حضور ﷺ کو مرگی کا مریض قرار دیتے ہیں، یقینی طور پر ان کی عقلوں کو حسد اور تعصب کا گھن کھا گیا ہے اور وہ نصف النہار پر پوری آب و تاب سے چمکتے ہوئے آفتاب کو بھی بے نور کہنے پر مصر ہیں (۱۰۰)۔

۴۔ نبی اکرم ﷺ کی متعدد شادیوں پر مستشرقین کا اعتراض

نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کو مجروح کرنے اور آپ کی عالمگیر اور دائمی رسالت میں شک و شبہ پیدا کرنے کے لیے ان مستشرقین کا ایک خاص اور اہم اعتراض یہ ہے کہ آپ نے متعدد شادیاں کی تھیں، اس سے وہ آپ کے جنسی پہلو اور شہوت رانی کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں لیکن مادہ پرست یورپ کے یہ دانشور اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ آپ کی متعدد بیویاں اس وقت تھیں، جب آپ کا سن پچاس برس سے بھی تجاوز کر چکا تھا، علاوہ ازیں! آپ ﷺ نے تبلیغی و دعوتی مصالح کے پیش نظر کئی شادیاں کی تھیں، ورنہ آپ کی جوانی کی عمر کا بڑا حصہ ایک ہی حرم کے ساتھ گزرا (۱۰۱)۔

جب ہم نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تمام شادیاں جنسی جذبے کی تسکین کے پیش نظر کی ہی نہیں بلکہ شادیوں سے آپ ﷺ کے مقاصد اتنے بلند تھے کہ مستشرقین ان کے تصور سے بھی قاصر ہیں (۱۰۲)۔ نبی اکرم ﷺ کی متعدد شادیاں کرنے پر اعتراض کرنے سے پہلے مستشرقین کو درج ذیل حقائق کو ذہن میں رکھنا چاہئے تھے:

۱۔ حضور ﷺ نے پچیس سال کی عمر تک کوئی شادی نہیں کی۔

۲۔ آپ کے مردانہ حسن اور نسبی وجاہت کی وجہ سے ان عورتوں کی کمی نہ تھی جو آپ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتی تھیں۔

۳۔ آپ نے جنسی اباحیت کے ماحول میں اپنا جوانی کا زمانہ گزارا لیکن کسی کو آپ کے دامن عفت پر کوئی دھبہ نظر نہ آیا۔

۴۔ آپ ﷺ نے پہلی شادی پچیس سال کی عمر میں کی۔ جس خاتون کو سب سے پہلے آپ نے اپنی زوجیت کا شرف بخشا وہ آپ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں۔ شادی کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ حضور ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے وہ (یکے بعد دیگرے) دو خاوندوں کی زوجیت میں رہ چکی تھیں۔

۵۔ حضور ﷺ نے اپنی عمر کا پچیس سال کا عرصہ اسی واحد خاتون کے ساتھ گزارا جس کے ساتھ آپ سب سے پہلے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے تھے۔ اپنی عمر کے پچاسویں سال تک اور اپنی زوجہ محترمہ کی عمر سے پینسٹھویں سال تک، جب تک آپ کی وہ زوجہ محترمہ زندہ رہیں، آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔

۶۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ نے جس خاتون سے شادی کی وہ ایک بیوہ اور معمر خاتون تھیں۔

۷۔ ایک زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ کی تمام ازدواج مطہرات میں سے کوئی بھی باکرہ نہ تھی حالانکہ حضور ﷺ اپنے امتیوں کو باکرہ (کنواری) عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب دیتے تھے... (۱۰۳)۔

۸۔ حضور ﷺ نے متعدد خواتین کو اپنے نکاح میں لینے کے باوجود فرمایا: (مجھے عوتوں کی کوئی حاجت نہیں) (۱۰۴)۔

۹۔ حضور ﷺ کی اکثر شادیاں بچپن سے لے کر انسٹھ سال تک کی عمر کے درمیان ہوئیں۔

جو شخص حضور ﷺ کی بیویوں کی تعداد کو گن کر آپ ﷺ کے کردار کے متعلق کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے اور ایسا کرتے وقت مندرجہ بالا حقائق کو نظر انداز کر دیتا ہے کیا اس شخص کو غیر جانبدار محقق اور انصاف پسند عالم کہا جاسکتا ہے؟ ہر گز نہیں (۱۰۵)۔ مختصر یہ کہ: "زوجات رسول ﷺ کے مسئلے کا تمام پہلوؤں سے جائزہ لینے والا شخص اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ آپ کی شادیاں بھی آپ کی شان رحمۃ للعالمینی کا مظہر تھیں۔ لیکن دل کے مریض کو ان شادیوں میں کئی تاریک پہلو نظر آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تاریکیاں ان کے اپنے دلوں کی سیاہی کا عکس ہیں اور خدا کا حبیب ﷺ ہر اس چیز سے پاک ہے جو اس کی خداداد عظمتوں اور رفعتوں کے مناقی ہے (۱۰۶)۔

۵۔ مستشرقین کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ابتداء میں بتوں کی مخالفت نہیں کی تھی۔

کیا "لاالہ الا اللہ" کا نعرہ ان تین سو ساٹھ بتوں کی خدائی کا انکار نہ تھا جو مکہ والوں نے خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے؟ مکہ والوں نے جب حضور ﷺ کی زبان پاک سے یہ نعرہ سنا ہو گا تو کیا اس نعرے میں انہیں اپنے بتوں کی خدائی کا انکار نظر نہ آیا ہو گا؟ حق بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے فریضہ نبوت و رسالت کی انجام دہی کا آغاز ہی بت پرستی کی مخالفت اور توحید کے اعلان سے کیا تھا... (۱۰۷)۔

۶۔ مستشرقین کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے کئی مشرکانہ رسوم کو باقی رکھا تھا اور ان رسوم کو باقی رکھنے کا سبب مصلحت اندیشی تھا۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ حضور ﷺ نے نہ صرف شرک کو مٹایا تھا بلکہ ہر وہ چیز، ہر وہ رسم اور ہر وہ سماجی قدر جس کا شرک سے دور کا بھی واسطہ تھا، آپ نے اس کو ختم کر دیا تھا... (۱۰۸)۔

۷۔ مستشرقین نے وحی کو بھی اپنا تختہ مشق بنایا۔ وہ اسے نبی اکرم ﷺ کی نفسیاتی و عقلی کمزوری اور بیماری کا نام دیتے ہیں۔

خالص مادہ پرست ہونے کی بنیاد پر یہ لوگ وحی کی حقیقت کے فہم و ادراک سے عاجز و قاصر ہیں۔ وحی کی کیفیات اور نبی اکرم ﷺ اور حامل وحی حضرت جبریل علیہ السلام کے تعلقات کی نوعیت کو یہ لوگ نہیں سمجھ سکے اور نہ ان حدیثوں کے مفہوم سے آگاہ ہو سکے جن میں حالات و کیفیات وحی بیان ہوئی ہیں، اس لیے انہوں نے اس کی نہایت غلط توجیہ کی ہے (۱۰۹)۔

سنت کی تشریعی حیثیت پر مستشرقین کے اشکالات

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کے مستشرقین نے نبی اکرم ﷺ کی ذات کو موضوع بحث اس لیے بھی زیادہ بنایا کیوں کہ فقہ اسلامی اور اسلامی قانون سازی کا ایک بنیادی ماخذ سنت رسول ﷺ ہے۔ تاکہ آحادیث کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اس کی اہمیت کو گھٹایا جائے اور نتیجۃً اسلامی قانون انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین

کے مقابل لایا جا سکے۔ ان کے یہاں ایسا بہت سا علمی مواد موجود ہے جس میں سنت رسول ﷺ کے صحیح اور مستند ہونے پر سوالات اٹھائے گئے یہاں تک کہ مستشرقین کی جانب سے یہ دعوی کیا گیا کہ امام شافعی سے پہلے سنت فقہ اسلامی کی بنیاد نہ تھی اور قدیم فقہی مسالک نے سنت رسول ﷺ کو فقہ اسلامی کا حصہ نہیں بنایا۔ چنانچہ اپنے دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لیے کچھ مستشرقین نے فرضی حقائق کا سہارا لیا جن میں جوزف شاخت کا نام سر فہرست ہے۔ اس کے مطابق امام شافعی سے پہلے کے ادوار میں کہیں شاذ و نادر ہی سنت رسول ﷺ کا حوالہ ملتا ہے اور امام شافعی نے ہی سنت کی نئی بنیادیں اور جہتیں متعارف کروائیں چنانچہ وہی سے سنت، سنت رسول ﷺ بنی۔

جبکہ اس سے پہلے سنت رسول ﷺ اور سنت صحابہ کرام کو ایک ہی طرز پر لیا جاتا تھا۔ یعنی سنت کا تصور عام تھا او صرف رسول ﷺ کے قول و فعل و تقریر تک محدود نہ تھا۔ بعض اوقات صحابہ کے آثار کو آپ ﷺ کے اقوال پر بھی ترجیح دے دی جاتی تھی۔ عراق و مدینہ کے مسالک نے آثار کو آپ ﷺ کی سنت پر فوقیت دی۔ فقہ و قانون کے ضمن میں مدینہ کے شیوخ نے سنت رسول ﷺ کا اعتبار نہیں کیا اسکے بجائے قیاس اور عقل پر انحصار کیا یہی حال عراقی مسلک کا بھی تھا۔ آحادیث کی کتابوں کو بھی امام شافعی کے دور سے پڑھایا جانے لگا۔ امام شافعی نے سنت کو اسلام کا بنیادی ستون اور ماخذ قرار دیا تو محدثین نے امام شافعی کے نظریات کے حق میں حدیثیں گھڑنا شروع کر دیں۔ ان کے مطابق سنت کی اہمیت اسلامی قانون کے ماخذ کی حیثیت سے اہم ہیں لیکن حدیث کوئی اسلامی تاریخی دستاویز نہیں بلکہ یہ آہستہ آہستہ معاشرتی اتار چڑھاؤ کے ساتھ ترقی کرتی ہوئی موجودہ شکل تک پہنچی۔ زیادہ تر مستشرقین کے نقطہ نظر کے مطابق یہ صرف فقہاء کا کام ہے، تاکہ اسلام کو دوسرے مذاہب سے منفرد بنایا جا سکے۔ درحقیقت یہ عیسائی و یہودی تعلیمات کا مکسچر ہے۔ ہملٹن گب، جوزف شاخت اور انیز گولڈزیر کے مطابق حدیث رسول ﷺ سے نہیں آئی بلکہ پہلی اور دوسری صدی ہجرہ میں اسکی پیدائش ہوئی اور جیسے جیسے اسلام پھیلتا رہا، اسکی بھی نشوونما ہوتی رہی (۱۱۰)۔

یہ تمام تر دعوے خیالات و تخمینوں پر مبنی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی لینا دینا نہیں سنت رسول ﷺ، آپ ﷺ کے زمانے سے قرآن کی تشریح اور وضاحت کے لیے موجود تھی۔ جس پر نہ پہلے کوئی شبہ تھا اور نہ ہی آج، قرآن کریم خود اس کا شاہد ہے (۱۱۱)۔ مستشرقین کے دعوے کی تصدیق کے لئے اگر فقہی مسالک کے پیدائش کے زمانے کو دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ وہ تابعین کا زمانہ تھا۔ اسلامی ریاست کے حدود بڑھ کر پھیل چکے تھے اور فقہی آراء دو بڑے مسالک کی شکل میں نمودار ہو چکی تھیں۔ حجازی یا مدنی مسلک جو کہ آحادیث اور آثار صحابہ پر بنیاد رکھتا تھا، جبکہ دوسرا مسلک کوفی یا عراقی تھا۔ یہ لوگ مشاہدے، عقل اور غور و فکر کو استعمال کرتے ہوئے قرآن و سنت

سے احکام نکالتے تھے۔ چنانچہ یہ اہل رائے کہلائے، انکے نزدیک اگر مخصوص نص موجود نہ ہو تو فقہی و قانونی مسائل میں عقل و رائے کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن دونوں مسالک نے سنت رسول ﷺ کو شریعت اسلامیہ کا بنیادی ماخذ قرار دیا۔ اس لیے ان کے ساتھ اس قسم کا جھوٹ باندھنا سراسر غلط بیانی اور ناانصافی ہے۔ جوزف شاخت کے مطابق مدنی مسلک نے آثار کو آحادیث سے زیادہ معتبر جانا اور امام شافعی کا ایک قول بھی نقل کیا جس میں انہوں نے امام مالک پر حدیث کے ترک کرنے کی وجہ سے تنقید کی (۱۱۲)۔

سنت رسول ﷺ پر کئے جانے والے شکوک و شبہات اور اعتراضات پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ مستشرقین نے سنت رسول ﷺ کا مطالعہ و تحقیق کرتے وقت سائنسی و تحقیقی طریقہ کار استعمال نہیں کیا اور بالکل بھی انصاف پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ تعصب اور دشمنی پر مبنی نقطہ نظر کے ساتھ حدیث لٹریچر کو پڑھا۔ سنت رسول ﷺ آپ ﷺ کے زمانے سے لے کر اب تک اسلامی قانون کا بنیادی ماخذ ہے اور اس کو امام شافعی کے دور سے جوڑنا حقیقت پر مبنی نہیں۔ سنت کی حفاظت اور منتقلی میں صحابہ کرام نے عظیم کردار ادا کیا۔ تمام فقہی مسالک نے مختلف طریقہ کار کے باوجود سنت کو ماخذ جانا۔ مستشرقین سنت رسول ﷺ کا مطالعہ، تجزیہ اور تنقید اس طرح پیش کرنے کی کوشش کرتے رہے تاکہ اسلامی قانون سازی میں فکری اور نظریاتی فاصلے پیدا کر دیئے جائیں۔

خلاصہ بحث

استشراق کی تحریک جب سے وجود میں آئی ہے تب سے ہی دین اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے متعلق جھوٹے اور بے بنیاد پروپیگنڈا پھیلا رہی ہے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک تقریباً ایک جیسی ہی صورت حال ہے۔ اسلام دشمنی اور نفرت پر مبنی نام نہاد علمی و تحقیقی کاوشوں کا مرکز ومنشا ہمیشہ اسلام کے پیغام کو دنیا میں پھیلنے سے روکنا رہا ہے۔ اور اس مقصد کے لیے من گھڑت جھوٹی داستانوں اور توجیہات تک کا سہارا لیا جاتا رہا ہے۔

قرآن، سنت، سیرۃ رسول ﷺ، فقہ اسلامی، تاریخ اسلام الغرض علوم اسلامیہ کا کوئی گوشہ یا حصہ ایسا نہیں ہے جس پر مستشرقین نے تحقیق نہ کی ہو۔ سیرۃ رسول ﷺ کے مختلف پہلوؤں اور آحادیث مبارکہ و سنت رسول ﷺ کے متعلق لکھنے والے مستشرقین بھی کافی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ جن میں انیز گولڈ زیر، جوزف شاخت، ولیم میور، نابیہ ایبٹ، ایف سیز گین، جی-ایچ-اے جنبال، ہرالڈ موٹزکی، جے رابنسن، ڈبلیو منٹگمری واٹ، وان گیر بوم، اربیری، جیفری، ائرالپیڈس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تحریک استشراق مختلف تاریخی ادوار سے گزرتی ہوئی موجودہ زمانے میں داخل ہوتی ہے۔ عصر حاضر میں مسلمان انتہا پسندی، بنیاد پرستی، اسلامی دہشت گردی جیسی اصطلاحات متعارف کروائی گئیں۔ اور میڈیا خاص طور پر

سوشل میڈیا کو استعمال کر کے اسلامی تشخص کو مسخ کرنے کی کوشیش کی جارہی ہیں۔آج کا مسلمان اپنی شناخت ظاہر کرنے کے بجائے اپنی اسلامی شناخت کو چھپاتا ہے کیونکہ اس کو دنیا کے سامنے اسطرح پیش کیا جارہا ہے جیسے تمام فتنہ و فساد کی جڑ مسلمان اور دین اسلام ہی ہے۔ مستشرقین ایک منظّم انداز سے مذہبی، معاشرتی، اقتصادی، علمی اور سیاسی محازوں پر اسلام کے خلاف لڑ رہے ہیں تا کہ اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کر سکیں۔ لیکن ان کی یہ تمام کاوشیں غلطیوں اور کوتاہیوں سے خالی نہیں ہیں جسکی نشاندہی بعض اوقات انکے ہم خیال معاصرین کی جانب سے بھی کی گئی۔ تاریخی حقائق اور مسلمہ سچائیوں کو بعض مستشرقین کی جانب سے اس قدر توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا کہ ان کے چہرے سے انکا جھوٹ عیاں ہوتا ہے، مزید کسی تنقید یا تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

ان مستشرقین کے علمی لٹریچر یا ثبوت کا اگر مسلمان علماء کی آراء سے تقابل کیا جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ انکی آراء مسلمان علماء کی آراء سے بالکل مختلف اور متضاد ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مستشرقین اور تحریک استشراق کا بنیادی مقصد علوم اسلامیہ پر تحقیق کر کے حقائق کو سامنے لانا نہیں بلکہ بے بنیاد، خود ساختہ اور غیر منطقی نتیجہ اخذ کر کے دنیا کو اسلام کے بارے میں گمراہ کرنا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ، ضیاء النبی ﷺ، علامہ عبدالرسول ارشد، ج۶، ص ۱۲۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۸ ہجری۔

۲۔ الاستشراق، رسالۃ الاستعمار، ص ۱۴۴۔

۳۔ اضواء علی الاستشراق والمستشرقین، ص ۱۵۔

۴۔ ضیاء القرآن، ج۲، ص ۱۲۶۔

۵۔ استشراق از ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری، در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۵۶۷، اختلاف قراءات اور نظریۂ تحریف قرآن، محمد فیروزالدین شاہ کھگہ، ص ۱۵۱، ۱۵۲، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور۔

۶۔ دیکھئے: مستشرقین کے افکار و نظریات کے مختلف دور از پروفیسر خلیق احمد نظامی، مشمولہ اسلام اور مستشرقین، مرتبہ: سید صباح الدین عبدالرحمٰن، ج۲، ص ۱۱-۱۷، اعظم گڑھ (۱۹۸۴ء)، ضیاء النبی، ج۲، ص ۱۳۰ و مابعد ھا۔ ایک بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مستشرقین کی تاریخ کے جو مختلف ادوار یا مراحل بنائے گئے ہیں، ان کے زمانوں کو متعین کرنا ممکن نہیں، کیونکہ مشرق سے مغرب کی طرف علوم کی منتقلی کا کام بھی صدیوں جاری رہا اور صلیبی جنگوں کا زمانہ بھی صدیوں پر محیط ہے۔ اس لیے مستشرقین کا جو رویہ گیارہویں اور بارہویں صدی میں صلیبی جنگوں کے رد عمل کے طور پر شروع ہوا ممکن ہے اس کی جھلک نویں اور دسویں صدی میں بھی نظر آجائے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جس زمانے میں مستشرقین اسلام کے خلاف فرضی داستان سرائیوں میں مشغول تھے، اسی زمانے میں ایسے لوگ بھی نظر آجائیں گے جو اسلام دشمنی کی غرض سے قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام کے مطالعہ میں مگن ہوں اس لیے

تاریخی ادوار یا مراحل کی یہ تقسیم، مستشرقین کے رویوں کے پیش نظر ہے زمانے کے پیش نظر نہیں ہے (ضیاء النبی ﷺ، ج۵، ص ۱۴۱، ۱۴۲۔

۷۔ دیکھئے: ضیاء القرآن، ج۶، ص ۱۳۰، ۱۳۱۔
۸۔ الاستشراق والخلفیۃ الفکریۃ للصراع الحضاری، ص ۲۶۔
۹۔ اضواء علی الاستشراق والمستشرقین، ص ۱۸۔
۱۰۔ ایضاً، ص ۲۱۔
۱۱۔ اضواء علی الاستشراق والمستشرقین، ص ۲۲۔
۱۲۔ دیکھئے: سابق حوالہ، ص ۲۳۔
۱۳۔ عبدالمتعال محمد الجبری، الاستشراق، وجہ للاستعمار الفکری، ص ۵۵، قاہرہ ۱۹۹۵ء۔
۱۴۔ ان سب کے حالات زندگی کے لیے دیکھئے: سابق حوالہ، ص ۵۵، ۵۶، اضواء علی الاستشراق والمستشرقین، ص ۱۴، ۱۸، ۲۵، الاستشراق والخلفیۃ الفکریۃ للصراع الحضاری، ص ۳۵، ۳۶۔
۱۵۔ دیکھئے: ضیاء النبی ﷺ، ج۵، ص ۱۴۱۔
۱۶۔ سابق حوالہ
۱۷۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے، سابق حوالہ، ص ۱۴۳، ومابعدھا
۱۸۔ مقالات شبلی، ج۵، ص ۵۰۔
۱۹۔ مستشرقین کے افکار و نظریات، محولہ بالا، ص ۱۳۔
۲۰۔ دیکھئے: سابق حوالہ، ص ۱۳۰۔
۲۱۔ مستشرقین کے افکار و نظریات، محولہ بالا، ص ۱۵۔
۲۲۔ ایضاً، ص ۱۳۔
۲۳۔ ضیاء النبی ﷺ، ج۵، ص ۱۵۳۔
۲۴۔ ایضاً، ص ۱۵۳، ۱۵۴۔
۲۵۔ مستشرقین کے ان اقدامات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے، سابق حوالہ، ج۵، ص ۱۵۴تا۱۶۳، نیز دیکھئے: الاستشراق وجہ للاستعمار الفکری، ص ۱۷تا۴۹، الاستشراق والخلفیۃ الفکری الحضاری، ص ۳۹، ۴۸، مستشرقین کے افکار و نظریات کے مختلف دور، مشمولہ اسلام اور مستشرقین، ج۲، ص ۱۴۔
۲۶۔ مستشرقین کے افکار و نظریات کے مختلف دور "مشمولہ اسلام اور مستشرقین، ج۲، ص ۱۴۔
۲۷۔ ضیاء النبی، محولہ بالا، ج۵، ص ۱۶۴۔
۲۸۔ دیکھئے: ضیاء القرآن، محولہ بالا، ص ۱۶۴تا۱۶۷، تھوڑی تبدیل کے ساتھ۔
۲۹۔ سابق حوالہ، ص ۱۶۶۔
۳۰۔ دیکھئے: مستشرقین کے افکار و نظریات، محولہ بالا، ص ۱۶۔
۳۱۔ ضیاء النبی، محولہ بالا، ج۵، ص ۱۳۰، ۱۶۷۔
۳۲۔ دیکھئے: سابق حوالہ، ص ۱۶۷۔

۳۳۔ ایضاً، ص۱۶۸۔
۳۴۔ ایضاً، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: مستشرقین کے افکار و نظریات کے مختلف ادوار، محولہ بالا، ج۲، ص۱۷۔
۳۵۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: ضیاء النبی، ج۵، ص۱۶۹۔
۳۶۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: ضیاء النبی ﷺ، سابق حوالہ، ص۱۶۹، ۱۷۲۔
۳۷۔ سابق حوالہ، ص۱۷۲۔
۳۸۔ سورۃ الحجر: ۹۔
۳۹۔ دیکھئے: ضیاء النبی ﷺ، ج۵، ص۱۷۳۔
۴۰۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے سابق حوالہ، ص۱۷۳تا۱۷۶، نیز دیکھئے: الاستشراق والخلفیۃ الفکریۃ للصراع الحضاری، محولہ بالا، ص۵۵تا
۴۱۔ یہ مشہور مستشرق ہے۔ دوسرے مستشرق تحریک استشراق کے لیے اس کی کاوشوں کی تعریف کرتے ہیں اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس نے عربی اسلامی علوم کے مطالعہ کو ایک نیا رنگ دیا۔ یہ شخص ایک یہودی تھا۔
۴۲۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الاستشراق فی الادبیات العربیۃ، علی بن ابراہیم النملہ، ص۱۰۰-۹۳، مرکز ۱۲ الملک الفیصل۔
۴۳۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: ضیاء النبی، ج۵، ص۱۷۶تا۱۸۰۔
۴۴۔ اسلام اور مستشرقین، مولانا سلمان شمسی ندوی، ضمیمہ: ص۱۲تا۱۴، ملخصا۔
۴۵۔ الاستشراق وجہ للاستعمار الفکری، ص۸۳۔
۴۶۔ ایضاً۔
۴۷۔ ایضاً، ص۸۳، ۸۴۔
۴۸۔ سابق حوالہ، ص۱۴۔
۴۹۔ ان میں سے ہر ایک شق کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: ضیاء النبی، ج۲، ص۲۴۶، ومابعدھا۔
۵۰۔ سابق حوالہ، ص۲۷۵۔
۵۱۔ سابق حوالہ، ص۲۷۷۔
۵۲۔ ایضاً۔
۵۳۔ الاستشراق وجہ للاستعمار الفکری، ص۷۶۔
۵۴۔ الاستشراق رسالۃ الاستعمار، دکتور محمد ابراہیم الفیومی، ص۱۲۰، دار الفکر العربی قاہرہ، ۱۹۹۳ء۔
۵۵۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے: الاستشراق وجہ للاستعمار، ص۱۰۸۔
۵۶۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: ضیاء النبی، ج۶، ص۲۸۱۔
۵۷۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: ضیاء النبی، ج۶، ص۲۸۱تا۲۸۴۔
۵۸۔ ضیاء النبی، ج۶، ص۲۸۴۔
۵۹۔ ایضاً، ج۶، ص۲۸۴، ۲۸۵۔
۶۰۔ ندوی، ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی، علوم اسلامیہ اور مستشرقین، ترجمہ و تلخیص:، ص۹۷، نشریات لاہور، ۲۰۰۹۔
۶۱۔ تاریخ الشعوب الاسلامیہ، بروکلمان، ترجمہ: فارس اور بعلبکی، ص۵۳، ۵۴، دار العلم للملایین، ۱۹۶۸ء۔
۶۲۔ تاریخ الیھود فی بلاد العرب فی الجاھلیۃ وصدر الاسلام، ولفنسن، ص۱۴۵، ۱۴۶، مطبعۃ الاعتقاد القاہرہ، ۱۹۳۷ء۔

۶۳۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: سابق حوالہ، ج۱، ص۷۸، مع حواشی۔
۶۴۔ تاریخ الیہود فی العرب، ص۱۴۵، ۱۴۶۔
۶۵۔ تاریخ العربی، جواد علی، ج۱، ص۱۱، ۸۔
۶۶۔ دیکھئے: The Caliphate, Its Rise, Decline and Fall, By Willian Mure, pp 43-44, London, 1891.، بحوالہ الدعوۃ الی الاسلام، ارنلڈ، ترجمہ حسن ابراہیم حسن وغیرہ، ص۴۵، حاشیہ، القاہرہ، ۱۹۷۱ء۔
۶۷۔ الدعوۃ الی الاسلام، ارنلڈ، سابق حوالہ، ص۴۸، نیز دیکھئے: تاریخ العرب فی الاسلام، ج۱، ص۹۵۔
۶۸۔ مزید مثالوں کے لیے دیکھئے: الدعوۃ الی الاسلام، ارنلڈ، محولہ بالا ایڈیشن، ص۵۲۔
۶۹۔ علوم اسلامیہ اور مستشرقین محولہ بالا، ص۸۴، بحوالہ The Muslim World، ۱۹۶۳ء۔
۷۰۔ الدعوۃ الی اسلام، ص۶۱، ۶۲، تفصیل کے لیے دیکھئے: گولڈ زیہر کی کتاب Mohammedan, shestidien Vol, 1.
۷۱۔ ضیاء الدین اصلاحی، سیرت نبوی ﷺ اور مستشرقین منٹگمری واٹ کے انکار کا تنقیدی جائزہ در اسلام اور مستشرقین، مرتبہ، ج۶، ص۱۸۶۔
۷۲۔ تاریخ العرب فی الاسلام، محولہ بالا، ج۱، ص۱۱، ۹۔
۷۳۔ ضیاء النبی ﷺ، ج۷، ص۱۶۱، ۱۶۲۔
۷۴۔ ایضاً، ۱۶۲۔
۷۵۔ مثالوں کے لیے ملاحظہ کیجئے: ضیاء القرآن، ج۷، ص۱۶۲ ومابعدھا۔
۷۶۔ اس کے حالات کے لیے دیکھئے: دعوت اسلام، پروفیسر ٹی ڈبلیو-ارنلڈ، ص۲۰، ومابعدھا۔
۷۷۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: ہم مسلمان کیوں ہوئے، عبدالغنی فاروق، ص۴۰، ومابعدھا، لاہور، ۱۹۸۷ء، نیز دعوت اسلام سابق حوالہ، ص۵، ومابعدھا۔
۷۸۔ ان کے متعلق معلومات کے لیے دیکھئے: المستشرقون والاسلام، زکریا ہاشم زکریا، ص۴۰ ومابعدھا، ۱۹۶۸ء۔
۷۹۔ ان کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھئے: المستشرقون والاسلام، سابق حوالہ، ص۵۱، ومابعدھا۔
۸۰۔ دیکھئے: سابق حوالہ۔
۸۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: ضیاء القرآن، ج۶، ص۲۱۷، ومابعدھا۔
۸۲۔ ضیاء القرآن، ج۷، ص۱۶۷۔
۸۳۔ ایضاً، ص۱۶۸۔
۸۴۔ ایضاً۔
۸۵۔ سابق حوالہ، ص۱۶۹۔
۸۶۔ مستشرقین کے افکار وخیالات کے لیے دیکھئے: ضیاء النبی، ج۷، ص۱۶۹ تا ۱۷۳۔
۸۷۔ سابق حوالہ، ص۱۷۴، ۱۷۵۔
۸۸۔ ایضاً، ص۲۱۲۔
۸۹۔ سنن الترمذی، کتاب المناقب، ج۵، ص۵۴۵۔
۹۰۔ ایضاً، ص۲۱۷۔
۹۱۔ ایضاً۔

۹۲۔ دیکھئے: سابق حوالہ، ص۲۱۹۔
۹۳۔ ایضاً، ص۲۳۴۔
۹۴۔ سورۃ الانشرح (۹۴): ۴۔
۹۵۔ سورۃ الضحیٰ (۹۳): ۴۔
۹۶۔ سابق حوالہ، ص۲۴۸، نیز دیکھئے: رسول مبین از علامہ محمد احسان الحق سلیمانی، ص۶۰۳۔
۹۷۔ ایضاً، ص۲۶۳۔
۹۸۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے: سابق حوالہ، ج۷، ص۲۸۰ ومابعدھا۔
۹۹۔ رسول مبین، ص۶۱۶، بحوالہ، کولیئر انسائیکلوپیڈیا، ج۹۔
۱۰۰۔ ضیاء القرآن، ج۷، ص۲۹۲۔
۱۰۱۔ شیخ انور الجندی و مستشرقین اور اسلام، مترجم: عمیر الصدیق، در اسلام اور مستشرقین، ج۲، ص۱۸۳۔
۱۰۲۔ ضیاء النبی، ج۷، ص۴۷۵، نبی اکرم ﷺ کی شادیوں کے (تعلیمی، تشریعی، سماجی وسیاسی) مقاصد کی معرفت کے لیے دیکھئے: شبہات واباطیل حول زوجات الرسول ﷺ از محمد علی الصابونی۔
۱۰۳۔ ضیاء النبی، ج۷، ص۴۷۵، ۴۷۶، نیز دیکھئے: شبہات واباطیل حول تعدد زوجات الرسول، محمد علی صابونی، ص۱۱، مکہ مکرمہ ۱۹۸۰ء۔
۱۰۴۔ رحمۃ اللعالمین، ج۲، ص۱۳۱، بحوالہ دارمی۔
۱۰۵۔ ضیاء النبی، ج۷، ص۴۷۷۔
۱۰۶۔ ایضاً، ج۷، ص۵۴۴۔
۱۰۷۔ ضیاء النبی، ج۷، ص۳۷۳۔
۱۰۸۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: سابق حوالہ، ص۳۸۵، ومابعدھا
۱۰۹۔ مستشرقین اور اسلام از شیخ انور الجندی، مترجم: عمیر الصدیق ندوی، محولہ بالا، مشمولہ اسلام اور مستشرقین، ج۲، ص۱۸۳۔
۱۱۰۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

Mustafa Muhammad Saleh, "Some Aspects of Extremism in Oriental Studies of Islam and its Criticism The Joseph Schacht Study Model of Islamic Jurisprudence," *Journal of Islamic Studies*, College of Arts, Department of Studies, University of Khartoum, Issue (8)2016: p. 123-144; Muhammad Mustafa Azami, 1985 AD, the Orientalist, Schacht and the Sunnah of the Prophet, an essay presented in the book, Curricula of the Orientalists in Arab and Islamic Studies, Jordan: p. 44-48 & 90, The Arab Organization for Education, Culture and Science, House of Culture.

۱۱۱۔ سورۃ النساء (۴): ۸۰، ۶۵؛ سورۃ النجم (۵۳): ۵-۳؛ سورۃ الحشر (۵۹): ۷
۱۱۲۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

Joseph Schacht, *An Introduction to Islamic Jurisprudence*, translated by Hammadi Dhoeb and Abdul Majeed Al-Sharafi (Beirut: Dar Al-Madar Al-Islami (original publication date 1964 AD),2018), pp. 49-53, 54:55; Goldziher, *Muslim Studies*(London:George Allen & Unwin Ltd, 1990); Joseph Schacht, *The Origins of Muhammadan Jurisprudence* (Oxford: Oxford University Press, 2002)